ڈاکٹر غلام قادر لون

حضرت خضر

تحقیق کی روشنی میں

القلم پبلی کیشنز

حضرت خضر

تحقیق کی روشنی میں

ڈاکٹر غلام قادر لون

القلم پبلی کیشنز، کشمیر

نام کتاب	:	حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں
مصنف	:	ڈاکٹر غلام قادر لون
ناشر	:	القلم پبلی کیشنز، ٹرک یارڈ، بارہمولہ، کشمیر
اشاعت	:	جولائی 2011
صفحات	:	168
تعداد	:	ایک ہزار
قیمت	:	100/- (پیپر بیک)
کمپوزنگ	:	وسیم یوسف مکائی (+91 9906672229)
ٹائٹل ڈیزائن	:	شوکت ندا
پروڈکشن	:	اپلائڈ بکس، نئی دہلی-۲

249
ل و ن - خ

ناشر

القلم پبلی کیشنز
AL-QALAM PUBLICATIONS
TRUCK YARD, BARAMULLA, KASHMIR - 193101
Ph.: +91 9906653927, +91 9797217997,+91 9906966106
Email: alqalamworld@gmail.com

Distributors
اردو بک ریویو
URDU BOOK REVIEW
1739/3 (Basement), New Kohinoor Hotel
Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-110002
Ph: 011-23266347 Email: urdubookreview@gmail.com

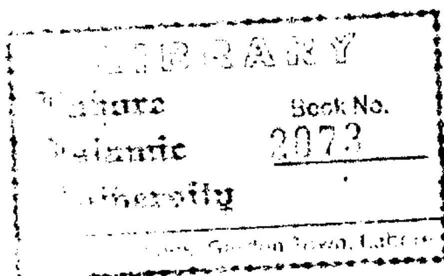
HAZRAT KHIZR: Tahqeeq Ki Roshni Mein
Author: DR. GHULAM QADIR LONE
Ist Edition: July 2011 Pages: 168 Price: Rs.100/- (Paperback)
Printed at: Classic Art Printers, New Delhi-2

انتساب

برادر اصغر

سہیل بشیر کار

کے نام



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست



دیباچہ

قرآن حکیم دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس نے انسانی تہذیب کے ہر گوشے کو منور کیا۔ اس کا نزول ''اقرا'' سے ہوا ہے، یہی لفظ انسانی تہذیب کا جوہر ہے۔ قرآن حکیم جس قوم میں نازل ہوا، اسے اپنی زبان پر ناز تھا، قرآن حکیم نے انھیں چیلنج کیا تو وہ اپنی زبان دانی کے باوجود اس کے سامنے لاجواب ہو گئے۔ قرآن حکیم نے عربی زبان کو نئے الفاظ اور الفاظ کو نئے معانی عطا کیے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی تلاوت کے لیے فن تجوید اور فن قرأت وجود میں آیا جس کی کتابت کے لیے خطاطی، خوشنویسی اور دقیق نویسی جیسے فنون نے جنم لیا۔ قرآن حکیم کی تفہیم کے لیے علم تفسیر نے آنکھیں کھولیں اور علم تفسیر کے لیے علم صرف، علم نحو، علم اشتقاق، علم لغت، علم معانی، علم اصول دین جیسے علوم وجود میں آئے۔ آیات الٰہی سے احکام کے استنباط کی ضرورت پڑی تو علم فقہ اختراع کیا گیا، پھر اصول فقہ اور علم الفرائض نے جنم لیا۔ غرض اس عظیم کتاب کی بدولت سینکڑوں علوم اور فنون پیدا ہوئے جنھوں نے انسانی تہذیب کو چار چاند لگائے۔

قرآن حکیم نے تاریخ کو روشنی عطا کی۔ انبیاء کرام کی تعلیمات کو صحیح تناظر میں پیش کیا۔ حضرت آدم سے لے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک ابرار و فجار کی تاریخ دہرادی۔ معتوب اقوام کے عبرتناک حشر کا منظر کھینچا۔ عاد، ثمود، فرعون، اصحاب کہف، اصحاب الرس، ذوالقرنین، یاجوج اور ماجوج کے بارے میں معلومات فراہم کیں، قرآن حکیم نے چودہ سو برس پہلے آثار قدیمہ کی اہمیت واضح کی اور ''سیروا فی الارض'' کی تاکید کر کے آثار قدیمہ کی تاریخ معلوم

کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔ چنانچہ سرزمین عرب میں آثار قدیمہ کی چھان بین کرنے والوں کے لیے قرآن حکیم ہی مستند اور معتبر رہنما ثابت ہو رہا ہے۔

قرآن حکیم کے ایک ایک لفظ میں معانی ومفاہیم کی تاریخ پنہاں ہے۔ عبد کا لفظ متعدد آیات میں آیا ہے۔ مگر سورہ کہف میں ''عبداً'' کا لفظ ایک خاص بندے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ سے فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ایک خاص بندے کو اپنے پاس سے علم عطا کیا ہے۔ زیر نظر کتاب اسی ''عبد'' کی کہانی ہے۔

احادیث مبارکہ میں اس خاص بندے کا نام ''خضر'' آیا ہے۔

مفسرین نے حضرت خضر کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ہے۔ انہوں نے واقعات وروایات کی چھان بین کر کے ان کے احوال زندگی معلوم کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ مورخین نے حضرت خضر کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ علما نے ان کی وفات و حیات پر کتابیں تحریر کی ہیں۔ ارباب حال ہر دور میں حضرت خضر سے ملاقات کرنے کے آرزومند رہے ہیں، اور عوام ہر ملاقاتی کے ساتھ مصافحہ کرتے وقت اس کا انگوٹھا دبا کر حضرت خضر کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ادبا اور شعرا نے حضرت خضر، حیات جاوداں اور آب حیات کے استعاروں سے اپنے کلام میں ندرت پیدا کی ہے۔ زیر نظر کتاب شعروادب کی اس دلچسپ تلمیح کی اصل جاننے کی ایک کوشش ہے۔

کتاب کی تیاری کے دوران جن علماء کرام کی رہنمائی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان میں استاذ گرامی ڈاکٹر عبید اللہ فراہی مدظلہ العالی سرفہرست ہیں۔ لکھنؤ میں قیام کے دوران استاذ محترم میرے سب سے بڑے محسن، مربی اور خضر راہ رہے ہیں۔ موصوف ایک عظیم انسان، بہترین استاد اور خلوص ووفا کے پیکر ہیں۔ ان کی ذات گرامی سے وابستگی میرے لیے سرمایہ افتخار ہے۔ ان کا شکریہ ادا کرنا حد بیان سے باہر ہے۔

علی گڑھ میں قیام کے دوران نامور عالم دین مولانا سلطان احمد اصلاحی مدظلہ العالی کی رہنمائی شامل حال رہی ہے۔ انھیں میرے تصنیفی مشاغل سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے جس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ علی گڑھ میں ڈاکٹر اشیاق احمد ظلی (ڈائریکٹر دارالمصنّفین اعظم گڑھ) کی گراں قدر آرا سے میں نے ہمیشہ استفادہ کیا ہے جس کے لیے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی اور پروفیسر عبید اللہ فہد فلاحی کے مفید مشورے دوران تصنیف شامل حال رہے ہیں، میں ان دونوں کا شکر گزار ہوں۔ برادرم ڈاکٹر ثناء اللہ پرواز (استاد فلسفہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) ہر وقت میری حوصلہ افزائی کرتے رہے ہیں جس کے لیے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دہلی میں مشہور عالم دین مولانا محمد فاروق خان مدظلہ العالی کی رہنمائی ہمیشہ میرے لیے مشعل راہ رہی ہے۔ ان کی رہنمائی سے میں بار بار فیضیاب ہوا ہوں جس کے لیے ان کا شکریہ ادا کرنا میرا اخلاقی فرض ہے۔ کتاب کی تیاری کے دوران محترم نسیم غازی فلاحی اور محترم تابش مہدی میری ہمت افزائی کرتے رہے ہیں۔ اس کے لیے میں ان دونوں حضرات کا شکر گزار ہوں۔ افکار ملی کے مدیر محترم سید قاسم رسول الیاس کو میری تحریروں سے جو دلچسپی رہی ہے اس کے لیے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ لکھنؤ میں محترم محمد اسلم خان، خلیل عظمت طٰہٰ محمد کیف الرحمٰن، صلاح الدین خان اور شمشاد احمد نے کتاب کی تیاری کے دوران جو تعاون دیا اس کے لیے میں ان سب کا شکر گزار ہوں۔

کتاب کی تیاری کے دوران جن دوسرے کرم فرماؤں نے میری حوصلہ افزائی کی ہے ان میں محترم غلام محمد ملک صاحب کرن نگر سرینگر، محترم گل محمد بٹ صاحب سرینگر، محترم الطاف احمد مون صاحب سوپور، محترم عبدالقیوم میر صاحب سوپور، محترم غلام حسن بٹ صاحب سوپور اور محترم محمد اسحٰق حاجی صاحب قابل ذکر ہیں۔ میں تہہ دل سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ محترم

بلال احمد لنگو صاحب کو کتاب کی اشاعت سے جو دلچسپی رہی ہے۔ اس کے لیے میں ان کا شکرگزار ہوں۔ میں حاجی غلام رسول ڈار صاحب، غلام نبی پرہ اور برادرم ثناء اللہ ڈار صاحب، اچھبل کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو میری حوصلہ افزائی کرتے رہے ہیں۔

کتاب کی اشاعت میں ادارہ فلاح الدارین بارہمولہ کے نوجوانوں نے خاص رول ادا کیا ہے۔ میں ان سب کا شکرگزار ہوں۔ محترم فیاض احمد میر (امیر ادارہ)، امتیاز عبد القادر، عبدالبصیر توحیدی، غلام محمد بٹ، حامد ثناء، ڈاکٹر عادل بشیر واصل، محمد امین حمال، عرفان الٰہی شالہ، عرفان بہادر، اقبال حفیظ، زاہد فیاض، عبد الرؤف، عادل الطاف، ریاض احمد فلاحی، عرفان فیاض، آصف مسعود مرازی، جاوید احمد گوجری، تنویر احمد ملک، انجینئر زبیر عزیز، فردوس احمد حمال، الطاف صوفی، جاوید احمد زنگہ، مشتاق احمد حمال، رئیس احمد ڈار، عادل رشید خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔ محترم ظہور احمد ڈار صاحب، بارہمولہ اور محترم رفیق احمد لون، جموں و کشمیر یتیم فاؤنڈیشن نے کتاب کی فوری اشاعت سے جس دلچسپی کا اظہار کیا ہے اس کے لیے میں ان دونوں کا متشکر ہوں۔

عزیزم وسیم یوسف مکائی نے کتاب کی کمپوزنگ میں بڑی محنت کی ہے۔ میں اس کے لیے ان کا شکرگزار ہوں۔ عزیزم شوکت احمد نندا نے کتاب کا ٹائٹل تیار کرنے میں خاصی دلچسپی دکھائی ہے۔ ان کا شکریہ ادا کرنا میرا اخلاقی فرض ہے۔

کتاب کی طباعت میں محترم محمد عارف اقبال (مدیر، اردو بک ریویو، نئی دہلی) کی رہنمائی اور مہارت کو خاص دخل ہے۔ زیرنظر کتاب کا اشاریہ (Index) انہوں نے بڑی محنت سے تیار کیا ہے۔ موصوف دین و ادب کے مخلص ترجمان ہیں اور اردو زبان و ادب کی بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ان کا شکریہ ادا نہ کرنا بڑی ناسپاسی ہوگی۔

تصنیفی مشاغل سے میری دلچسپی اصل میں میرے والدین کے نالۂ شب گیر اور آہ سحر گاہی

کا ثمرہ ہے۔ یہ دونوں اب اپنے رب سے مل چکے ہیں۔ میں ان دونوں کے لیے وہی دعا کرتا ہوں جو میرے رب نے مجھے سکھائی ہے: "اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم فرما جس طرح ان دونوں نے اس وقت میری پرورش کی جب میں بچہ تھا"۔

یہ کتاب شاید پایہ تکمیل کو نہ پہنچتی اگر اس کی تیاری کے دوران گھر کے افراد تعاون نہ دیتے۔ خواجہ غلام محمد لون، ان کی اہلیہ اور ان کے فرزندان محمد اشرف، عبدالمجید اور نصیر احمد نے گھریلو ذمہ داریوں سے فارغ کر کے جو تعاون دیا ہے، اس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ کتاب کی تصحیح اور پروف پڑھنے میں عزیزان عمر فاروق، عرفان اشرف اور عامر اشرف نے جو محنت کی ہے اس کے لیے وہ ہماری نیک دعاؤں کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے حفظ وامان میں رکھے اور انھیں اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق دے۔ چھوٹے بچوں عدنان اور حمیرا نے بہت خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو سلامت رکھے۔ دوران تحریر طبقہ نسواں میں سے میری بہنوں عائشہ بیگم، راجہ بیگم، فاطمہ، حاجرہ مرحومہ، حفیظہ اور رئیسہ نے جو مثالی تعاون دیا ہے۔ اس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ میں اپنی اہلیہ کا حد درجہ شکر گزار ہوں جنہوں نے اطاعت شعاری کا حق ادا کر کے مجھے تحریری مشاغل کے لیے فارغ کر دیا، اور کتاب لکھنے کے لیے سازگار ماحول فراہم کیا۔ غلام محمد ملک صاحب کرن نگر سری نگر کی اہلیہ ہمشیرہ محترمہ نسیمہ بیگم نے میری عدم موجودگی میں میرے مسودات کی حفاظت کا برسہا برس تک خیال رکھا اور انھیں ضائع ہونے سے بچا لیا۔ قیام سری نگر کے دوران ان کے گھرانے نے میری بہت خدمت کی ہے جس کے لیے میں ان کا ممنون احسان ہوں۔ میری ہمشیرہ رضیہ سلطانہ (معلّمہ بنات الطہرہ بارہمولہ) نے خواتین کے حلقے میں میری تحریروں کو پھیلانے میں جو کوشش کی ہے، میں اس کے لیے ان کا بہت شکر گزار ہوں۔

اس کتاب کی تیاری کے دوران کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ اسلامیات کی لائبریری سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کے لیے دونوں لائبریریوں کے ذمہ داروں کا شکر گزار ہوں۔

کتاب کی اشاعت میں برادر عزیز سہیل بشیر کار، بارہمولہ نے سب سے زیادہ فعال رول ادا کیا ہے۔ انھوں نے غیر ضروری مشاغل سے میری توجہ ہٹا کر تصنیف و تالیف کی اہمیت واضح کی۔ سہیل بن کر نمودار ہوئے اور مجھے خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ میں ان کا ممنون احسان ہوں۔

طالب دعا

غلام قادر لون

حدی پورہ رفیع آباد، بارہمولہ

۲۷ رصفر المظفر ۱۴۳۲ھ / یکم فروری ۲۰۱۱ء

منگل۔ ۳ بجے روز

حضرت خضر

نام ونسب اور حالات زندگی

نام ونسب: حضرت خضر کے نام ونسب کے بارے میں دس سے زائد اقوال نقل کیے گئے ہیں ﴿۱﴾۔ بعض علماء نے انہیں حضرت آدم کی اولاد بتایا ہے۔ چنانچہ ایک قول کے مطابق آپ حضرت آدم کے چوتھے فرزند تھے ﴿۲﴾۔ ابو حاتم السجستانی (المتوفی ۲۵۰ھ/ ۸۶۴ء) ﴿۳﴾ کا بیان ہے کہ آپ کا نام خضرون بن قابیل بن آدم ہے ﴿۴﴾۔ بعض دوسرے علما کے نزدیک آپ حضرت ابراہیم (۱۸۶۱۔۱۶۸۶ق.م) پر ایمان لانے والے ایک شخص کی اولاد ہیں، آپ نے حضرت ابراہیم کے ساتھ بابل سے ہجرت کی تھی، اور آپ کا نام بلیا بن ملکان بن

﴿۱﴾ ابن حجر عسقلانی۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ، تحقیق علی محمد البجاوی، القاہرہ ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۷۰ء ۲: ۲۸۶۔۲۸۷
..الزہر النضر فی حال الخضر، تقدیم وتحقیق وتخریج۔ صلاح الدین مقبول احمد۔ نیو دہلی (الھند) الطبعۃ الاولی ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء
ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ، مکتبۃ المعارف بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۹۷۷ء ۱: ۳۲۶
شیخ حسین ابن محمد بن الحسن الدیار البکری۔ تاریخ الخمیس، مصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۰۲ھ ۱: ۱۲۰

﴿۲﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۶
ابن کثیر۔ قصص الانبیاء۔ تحقیق الدکتور مصطفیٰ الواحد، مکۃ المکرمہ، الطبعۃ الثالثہ ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء ۲: ۵۱۸

﴿۳﴾ ابو حاتم سہل بن محمد بن عثمان السجستانی نحوی اور مقری گزرے ہیں۔ انھوں نے طویل العمر اشخاص کی تاریخ "کتاب المعمرین" (المعمرون) کے نام سے تصنیف کی جسے مشہور مستشرق گولڈزیہر نے مرتب کیا ہے۔

﴿۴﴾ ابو حاتم سہل السجستانی۔ کتاب المعمرین۔ مرتبہ اگناز گولڈزیہر، بریل، لیڈن ۱۸۹۹ء ص ۱ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۶
تاریخ الخمیس ۱: ۱۲۱۔ تاریخ الخمیس میں بلیا کی جگہ بلیان دیا ہے، بعض دوسری کتابوں میں بھی بلیان آیا ہے۔

﴿۵﴾ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری۔ تاریخ الطبری، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء ۱: ۲۲۰

فالغ بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح ہے ﴿۵﴾۔ وہب بن منبہ (۳۴۔۱۱۴ھ / ۶۵۴۔۷۳۲ء) ﴿۶﴾ سے منسوب ایک قول میں حضرت خضر کا نام ایلیا بن عامیل بن شمالخسین بن ارما بن علقما بن عیصو بن اسحاق بن ابراہیم آیا ہے ﴿۷﴾۔ ایک اور قول میں نام ارمیا بن حلقیا بیان کیا گیا ہے۔ حلقیا، حضرت ہارون (۱۴۳۹۔۱۳۱۷ ق.م) کی اولاد میں سے تھے ﴿۸﴾۔ مراۃ الاسرار کے مصنف کے بیان کے مطابق ان کا نام خضر بن ملکان بن عیان بن طیان بن سمعان بن سام بن نوح ہے ﴿۹﴾۔ مولانا یعقوب چرخی (المتوفی ۸۵۱ھ / ۱۴۴۷ء) ﴿۱۰﴾ کے بقول حضرت خضر کا نام ملکان بن بلیان بن سمعان بن سام بن نوح ہے ﴿۱۱﴾ اس کے علاوہ آپ کے نام ونسب کے بارے میں علما سے دوسرے اقوال بھی منقول ہیں، لیکن ان میں سے اکثر پر کلام کیا گیا ہے ﴿۱۲﴾۔

اہل تورات اور کتب سابقہ کے بیان کے مطابق حضرت خضر کا نام خضر بن ملکان بن فالغ

ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ، دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء ۱:۱۶۰ البدایہ والنہایہ ۱:۳۲۶ یہ قول وہب بن منبہ کا ہے۔ امام نووی نے ملکان کے علاوہ کلمان بھی دیا ہے۔ دیکھیے: ابوزکریا محی الدین یحیٰ بن شرف الدین النووی۔ تہذیب الاسماء واللغات، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان (بدون سن طباعت) ۱:۱۷۶ الاصابہ ۲:۲۸۶

﴿۶﴾ ابوعبداللہ وہب بن منبہ الصغانی، یمنی نژاد تابعی، کتب سابقہ کے عالم اور ثقہ راوی ہیں۔ عبدالوہاب الشعرانی، الطبقات الکبری المساۃ بلواقح الانوار، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ عصر، الطبقۃ الاولی ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء ۱:۴۰

﴿۷﴾ شیخ کمال الدین الدمیری۔ حیاۃ الحیوان الکبریٰ، مطبعۃ السعادہ، مصر ۱۳۳۰ھ ۱:۲۸۳

﴿۸﴾ حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۲۸۳ البدایہ والنہایہ ۱:۳۲۶ الزھر النضر ص ۶۱

﴿۹﴾ عبدالرحمٰن چشتی۔ مراۃ الاسرار، عکسی مخطوطہ کتب خانہ شبلی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو ۱:۳۵

﴿۱۰﴾ مولانا یعقوب چرخی کا مولد ومنشا غزنین کا نواحی موضع چرخ ہے۔ آپ نے سلوک وعرفان کے مدارج خواجہ بزرگ اور خواجہ علاء الدین عطار کی صحبت میں طے کیے۔ علوم ظاہری وباطنی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ غزنین کے نواح میں دفن ہیں۔ دیکھیے: مولانا عبدالرحمٰن جامی۔ نفحات الانس۔ مطبع نولکشور کانپور ۱۸۹۳ء ص ۲۵۶ محمد داراشکوہ۔ سفینۃ الاولیاء۔ مطبع نولکشور کانپور، باب دوم ۱۹۰۰ء بذیل تذکرہ ص ۸۰

﴿۱۱﴾ مولانا یعقوب چرخی۔ رسالہ ابدالیہ، تصحیح وتعلیق وپیشگفتار از محمد نذیر رانجھا، مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء فصل ۱۰ ص ۳۰

﴿۱۲﴾ الاصابہ ۲:۲۸۶۔۲۸۷

بن عابور بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح ہے۔اہل کتاب ہی کے ایک دوسرے قول میں آپ کا نام خضرون بن عمائیل بن النصر بن العیص بن اسحٰق بن ابراہیم نقل کیا گیا ہے ﴿۱۳﴾

صحیح اور مشہور قول یہ ہے کہ حضرت خضر کا اصلی نام بلیا بن ملکان بن فالغ بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح ہے ﴿۱۴﴾۔ امام نووی (۶۳۱۔۶۷۶ھ / ۱۲۳۳۔۱۲۷۶ء) ﴿۱۵﴾ اور ابن قتیبہ الدینوری (۲۱۳۔۲۷۶ھ / ۸۲۸۔۸۸۹ء) ﴿۱۶﴾ نے بھی اسے بیان کیا ہے ﴿۱۷﴾۔ یہ قول قدرے تغیر کے ساتھ تفسیروں اور تاریخوں میں بھی بکثرت نقل کیا گیا ہے۔

امام نووی کا بیان ہے کہ حضرت خضر کی کنیت ابوالعباس ہے ﴿۱۸﴾۔اور اس پر سب کا اتفاق ہے ﴿۱۹﴾ مورخین اور صوفیا نے ان کی یہی کنیت بتائی ہے ﴿۲۰﴾

﴿۱۳﴾ ابوالحسن علی بن الحسین المسعودی۔مروج الذہب ومعادن الجواہر،المطبعۃ الازہریہ المصریہ،الطبعۃ الاولی ۱۳۰۳ھ ۱:۲۰۔۲۱

﴿۱۴﴾ حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۲۸۳،ایک قول میں ایلیا بھی آیا ہے۔دیکھئے: البدایہ والنہایہ ۱:۳۲۶ بعض تاریخوں میں فالغ بن شالخ بن عامر کی جگہ فالغ بن شالخ بن عابر آیا ہے۔نسب نامہ میں تورات سے تصحیح کی گئی ہے۔بعض کتابوں میں بلیا بن ملکان کی جگہ بلیا بن کلمان آیا ہے۔ایک قول میں بلیا بن ملکاں دیا ہے۔

﴿۱۵﴾ ابوزکریا یحیٰی بن شرف بن مری بن حسن الخزامی الحورانی النووی شام کے مشہور محدث اور عالم گزرے ہیں۔انھوں نے مسلم شریف کی شرح لکھی ہے۔دیکھئے: الامام الحافظ شمس الدین الذھبی۔تذکرۃ الحفاظ۔دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد،الطبعۃ الرابعہ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء ۴:۱۴۷

﴿۱۶﴾ ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری کثیر التصانیف،ادیب اور عالم تھے۔بغداد میں وفات پائی۔دیکھئے: خیرالدین الزرکلی۔الاعلام،مطبعۃ کوستاتسوماس وشرکاہ،مصر،الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۳ھ تا ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۴ء تا ۱۹۵۹ء ۴:۲۸۰

﴿۱۷﴾ تہذیب الاسماء واللغات ۱:۱۷۶

ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الکاتب الدینوری۔کتاب المعارف،مرتبہ فرڈی ننڈ وسٹنفیلڈ گوٹنجن ۱۸۵۰ء ص ۲۱

﴿۱۸﴾ تہذیب الاسماء واللغات ۱:۱۷۶،یہی قول ابن قتیبہ الدینوری نے نقل کیا ہے۔دیکھئے کتاب المعارف ص ۲۱

﴿۱۹﴾ الاصابہ ۲:۲۸۸

﴿۲۰﴾ البدایہ والنہایہ ۱:۳۲۷ تاریخ الخمیس ۱:۱۲۱ حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۲۸۴ مراۃ الاسرار ۱:۳۵

مورخین کی اکثریت کا خیال ہے کہ خضر (سبز رنگ والا) ان کا لقب ہے ﴿۲۱﴾ ایک قول میں اس لقب کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ جہاں قیام کرتے ہیں، وہاں سرسبز گھاس اُگتی ہے۔ یا وہاں کی خشک گھاس سرسبز ہو جاتی ہے۔ ایک اور قول کے مطابق ان کا نام اس لیے خضر پڑا کہ وہ جہاں نماز پڑھتے ہیں اس کے اردگرد کی زمین سبزہ زار بن جاتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ خضر اس وجہ سے ان کا لقب پڑ گیا کہ وہ سوکھی گھاس والی زمین پر بیٹھ گئے تو وہ سرسبز ہو گئی ﴿۲۲﴾۔ علما نے ان کے لقب کی یہی وجہ بیان کی ہے ﴿۲۳﴾ حضرت موسیٰ (۱۴۳۶-۱۳۱۶ق.م) نے آپ کو سبز بچھونے پر کپڑا اوڑھے ہوئے لیٹے دیکھا تھا ﴿۲۴﴾

حضرت خضر کے والدین میں سے ایک فارسی اور ایک رومی ہیں ﴿۲۵﴾۔ حضرت سعید بن مسیب (المتوفی ۱۰۵ھ/۷۲۳ء) ﴿۲۶﴾ کا بیان ہے کہ ان کی ماں رومی اور باپ فارسی ہیں ﴿۲۷﴾۔ علما کی اکثریت کا خیال ہے کہ آپ فارس سے تعلق رکھتے ہیں، بعض صوفیا کی رائے ہے کہ حضرت خضر فارس میں شیراز سے دو فرسخ دور ایک مقام پر پیدا ہوئے ہیں ﴿۲۸﴾

﴿۲۱﴾ تہذیب الاسماء واللغات ۱:۱۷۶ البدایہ والنہایہ ۱:۳۲۷ حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۴۸۴ تاریخ الخمیس ۱:۱۲۱

﴿۲۲﴾ امام بخاری۔ صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی القاہرہ ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء، کتاب بدء الخلق (باب) حدیث الخضر مع موسیٰ، الجزء الرابع ص ۱۹۰: عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انما سمی الخضر انہ جلس علیٰ فروۃ بیضاء فاذا ھی تھتز من خلفہ خضراء امام ترمذی۔ جامع الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، سورۃ الکہف: انما سمی الخضر لانہ جلس علی فروۃ بیضاء فاھتزت تحتہ خضراً

﴿۲۳﴾ البدایہ والنہایہ ۱:۳۲۷، تہذیب الاسماء واللغات ۱:۱۷۶، حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۴۸۴، الاصابہ ۲:۲۸۷، مراۃ الاسرا ۱:۳۵

﴿۲۴﴾ البدایہ والنہایہ ۱:۳۲۷، قصص الانبیاء ۲:۵۲۳

﴿۲۵﴾ الاصابہ ۲:۲۸۷

﴿۲۶﴾ سعید بن المسیب بن حزن قرشی مخزومی کے والد اور دادا دونوں صحابی تھے۔ جلیل القدر تابعی، محدث اور فقیہ تھے۔ حضرت ابو ہریرہ نے آپ کو شرف دامادی بخشا۔ زہد و تقویٰ میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ خلیفہ عبدالملک نے اپنے بیٹے ولید کی بیعت کا ارادہ کیا تو عامل مدینہ نے آپ کو بیعت کرنے کے لیے کہا لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ عامل نے کوڑے لگوائے اور قتل کی دھمکی دی، مگر اس پیکر استقلال نے ایک نہ مانی۔ لواقح الانوار ۱:۳۰

﴿۲۷﴾ قصص الانبیاء ۲:۵۲۰ الاصابہ ۲:۲۸۷ ﴿۲۸﴾ مراۃ الاسرار ۱:۳۵

حضرت خضر کے نام ونسب اور ان کے حالات کے بارے میں مختلف بیانات منقول ہیں۔ ایک بیان کے مطابق حضرت خضر حضرت الیاس کے بھائی ہیں۔ ان کے باپ بادشاہ تھے۔ حضرت الیاس نے باپ سے کہا کہ خضرؑ کو امور سلطنت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اگر آپ ان کی شادی کر دیں تو ممکن ہے کہ ان کا لڑکا پیدا ہو اور وہ ملک کو سنبھالے۔ بادشاہ نے ایک خوبصورت عورت سے حضرت خضر کی شادی کر دی، مگر حضرت خضر نے بیوی سے کہا کہ مجھے عورت کی حاجت نہیں ہے۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں رخصت کر دوں یا اگر تمہاری مرضی ہو تو میرے ساتھ اللہ کی عبادت کرتی رہو اور میری ہمراز بنی رہو۔ ان کی بیوی اس پر راضی ہو گئی۔ جب ایک سال گزر گیا تو بادشاہ نے اس عورت کو بلا کر پوچھا کہ تم دونوں جوان ہو لیکن ابھی تک کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا ہے۔ عورت نے جواب دیا کہ اولاد تو خدا کی طرف سے ہوتی ہے، چاہے تو دے، چاہے تو نہ دے۔ بادشاہ نے خضرؑ کو حکم دیا کہ اس عورت کو طلاق دو۔ باپ کے کہنے پر انھوں نے اسے طلاق دی۔ اس کے بعد بادشاہ نے ان کی شادی ایک بچہ والی عورت سے کی۔ حضرت خضر نے اس عورت سے بھی وہی بات کہہ دی جو پہلی بیوی سے کہی تھی۔ عورت نے ان کا ساتھ نبھانے اور رازداری برتنے کا وعدہ کیا۔ جب ایک سال گزر گیا تو بادشاہ نے عورت کو بلا کر بچہ کے بارے میں سوال کیا، عورت نے جواب دیا کہ آپ کے بیٹے کو عورت کی حاجت نہیں ہے۔ بادشاہ نے حضرت خضر کو طلب کیا، تو وہ بھاگ گئے۔ بادشاہ نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے لیکن وہ حضرت خضر کو نہ پا سکے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت خضر نے دوسری بیوی کو قتل کیا کیونکہ اس نے ان کے راز کو فاش کیا تھا۔ اسی بنا پر وہ بھاگ گئے ﴿۲۹﴾

ایک روایت میں آیا ہے کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کو ایک مقام پر عمدہ خوشبو محسوس ہوئی، آپ نے حضرت جبرئیل سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ ایک مشاطہ، اس کے

﴿۲۹﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۰ قصص الانبیاء ۲: ۵۲۰

شوہر اور اولاد کی قبر ہے۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ حضرت خضر بنی اسرائیل کے اشراف میں سے تھے۔ ان کی گزرگاہ میں ایک راہب کا صومعہ تھا۔ راہب نے انھیں اسلام کی تعلیم دی۔ جب حضرت خضر بالغ ہوئے تو ان کے باپ نے ان کی شادی ایک عورت سے کی، حضرت خضر نے اس عورت کو بھی اسلام کی تعلیم دی اور اس سے عہد لیا کہ وہ کسی کو یہ راز نہ بتائے کہ حضرت خضر کو عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اس عورت کو طلاق دی۔ ان کے باپ نے ان کی شادی دوسری عورت سے کی۔ انھوں نے اسے بھی اسلام کی تعلیم دی اور عہد لیا کہ وہ ان کا راز فاش نہیں کرے گی لیکن اس نے حضرت خضر کے راز کو فاش کیا جب کہ پہلی عورت نے اسے چھپایا تھا۔ راز فاش ہوا تو حضرت خضر گھر سے بھاگ گئے اور سمندر کے ایک جزیرے میں پہنچے، وہاں آپ کو دو لکڑ ہاروں نے دیکھا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے عزقیل کو دیکھا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ اور کس نے دیکھا ہے؟ تو اس نے دوسرے لکڑہارے کا نام بتایا۔ جب دوسرے لکڑہارے سے دریافت کیا گیا تو اس نے راز کو چھپایا۔ چونکہ ان لوگوں کی شریعت میں جھوٹ بولنے کی سزا قتل تھی اس لیے اس شخص کو قتل کیا گیا جس نے حضرت خضر کو دیکھنے کا دعویٰ کیا تھا۔ جس آدمی نے اس راز کو چھپایا تھا اس کی شادی راز چھپانے والی عورت سے ہوئی۔ یہ عورت بعد میں فرعون کی بیٹی مائلہ کی مشاطہ ہوگئی۔ ایک روز وہ مائلہ بنت فرعون کے سر میں کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا، ''فرعون ہلاک ہو''۔ مائلہ نے یہ بددعا سن کر فرعون کو اطلاع دی۔ فرعون نے اس عورت، اس کے شوہر اور اس کے دونوں بیٹوں کو بلایا اور انہیں دین سے پھر جانے کو کہا۔ انہوں نے انکار کیا۔ فرعون نے کہا، میں تمہیں قتل کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ ہم کو قتل کریں گے تو آپ کی مہربانی یہ ہوگی کہ آپ ہم کو ایک ہی قبر میں دفن کروانے کا حکم دیں۔ چنانچہ فرعون نے انھیں قتل کر کے ایک ہی قبر میں دفن کروا دیا۔ آنحضرت ﷺ کا بیان

ہے کہ میں نے اس سے عمدہ خوشبو نہیں دیکھی ہے ﴿۳۰﴾

ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ حضرت خضر کا راز چھپانے والی عورت اس شہر کے مضافات میں ایک جگہ خدا کی عبادت کر رہی تھی کہ وہاں سے ایک مرد گزرا جس کے منہ سے ''بسم اللہ'' نکلا۔ عورت نے پوچھا ''تمہیں بسم اللہ کیسے معلوم ہوا''؟ اس نے کہا ''میں خضر کے ساتھیوں میں سے ہوں''۔ عورت نے اس کے ساتھ شادی کی اور اس کے بچے بھی ہوئے۔ بعد میں عورت فرعون کی بیٹی کی مشاطہ ہوگئی۔ ایک دفعہ اس کے ہاتھ سے کنگھی گری۔ اس نے ''بسم اللہ'' کہی۔ فرعون کی بیٹی نے کہا، ربّ تو میرا باپ فرعون ہے۔ عورت نے کہا نہیں، میرا، تمہارا اور فرعون کا ربّ اللہ ہے۔ بیٹی نے فرعون کو اطلاع دی، تو اس نے عورت کو گرم دیگ میں بھر دیا۔ جب وہ اس میں سمٹ گئی تو اس کے چھوٹے بچہ نے کہا ''میری ماں صبر کر، تم حق پر ہو'' چنانچہ یہ عورت دیگ ہی میں جل کر شہید ہوگئی ﴿۳۱﴾

عبدالرحمٰن السہیلی (۵۰۸۔۵۸۱ھ/ ۱۱۱۴۔۱۱۸۵ء) ﴿۳۲﴾ نے حضرت خضر کے مختلف ناموں کا ذکر کرتے ہوئے ایک نام ابن عامیل بن سماطین بن ارما بن خلفا بن عیصو بن اسحاق بتایا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق ان کے والد بادشاہ تھے اور ان کی ماں فارسی تھی جن کا نام الھاء تھا۔ انھوں نے حضرت خضر کو ایک بیاباں میں جنم دیا۔ وہ قریبی بستی کے ایک شخص کے ریوڑ کی بکری کا دودھ پیتے تھے۔ ریوڑ کے مالک نے ان کی پرورش کی۔ جب جوان ہوئے تو

﴿۳۰﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۷

﴿۳۱﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۰۔۳۳۱

﴿۳۲﴾ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد بن اصبغ السہیلی، محدث اور سیرت نگار ہیں۔ انھوں نے ''الروض لانف'' کے عنوان سے سیرت ابن اسحاق کی شرح تصنیف کی جو بعد میں آنے والے مصنفین کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئی۔ ان کا بیان ہے کہ انھوں نے یہ کتاب ۱۲۰ کتابوں کی مدد سے تیار کی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے التعریف والاعلام بما أبہم فی القرآن من الاسماء والاعلام بھی تصنیف کی ہے۔ ابن حجر نے الزھر النضر میں التعریف والاعلام ہی کا حوالہ دیا ہے۔ السہیلی کے لیے دیکھیے: معجم المولفین ۵: ۱۴۷

ان کے باپ کو صحف ابراہیم کی کتابت کے لیے کاتبوں کی ضرورت پڑی۔ ماہرین اور شرفا جمع ہوئے۔ ان میں حضرت خضر بھی تھے۔ بادشاہ ان سے ناواقف تھے۔ ان کے حسنِ خط اور مہارت کو دیکھ کر بادشاہ نے تفتیش حال کیا تو پتہ چلا کہ وہ ان کے فرزند ہیں۔ بادشاہ نے انہیں گلے لگایا اور انہیں لوگوں کے معاملات کا ذمہ دار بنایا۔ بعد میں حضرت خضر اپنے والد سے بھاگ گئے اور گھومتے گھومتے آبِ حیات پر پہنچ گئے اور اس کا پانی پی لیا، وہ خروج دجال تک زندہ رہیں گے، یہی وہ شخص ہیں جنہیں دجال قتل کرے گا اور پھر انہیں زندہ کرے گا ﴿۳۳﴾

تاریخی لحاظ سے حضرت خضر کے زمانے کا تعین کرنا قدرے دشوار ہے۔ ایک قول کے مطابق حضرت خضر ایران کے بادشاہ افریدون اور ذوالقرنین کے ہم عصر رہے ہیں ﴿۳۴﴾ ایک دوسرے بیان کے مطابق حضرت خضر، حضرت ابراہیم کے ہم عصر بادشاہ ذوالقرنین کے لشکر کے آگے آگے رہتے تھے۔ لیکن حضرت ابراہیم کے دور میں وہ پیغمبر نہیں تھے بلکہ بنی اسرائیل کے بادشاہ ناشیہ بن اموص کے دور میں انہیں پیغمبری عطا ہوئی۔ ناشیہ بن اموص وہی بادشاہ ہیں جو ایرانی بادشاہ بستاسب بن لہراسب کے ہم عصر تھے۔ تاہم یہ رائے محل نظر ہے کیونکہ مورخین کے بقول ناشیہ بن اموص اور افریدون کے درمیان ایک ہزار سال سے زائد زمانے کا فاصلہ ہے ﴿۳۵﴾

اہل کتاب کا کہنا ہے کہ حضرت خضر سے جس شخص نے ملاقات کی تھی وہ مشہور پیغمبر حضرت موسیٰؑ نہیں بلکہ ایک اور موسیٰ ہیں جس کا نام موسیٰ بن منشی بن یوسف بن یعقوب ہے اور جو حضرت موسیٰؑ سے پہلے گزرا ہے ﴿۳۶﴾

﴿۳۳﴾ الزھر النضر فی حال الخضر ص ص ۷۷۔۷۸، حیاۃ الحیوان الکبری ۱: ۳۸۴

﴿۳۴﴾ تاریخ الطبری ۱: ۲۲۰، الکامل فی التاریخ ۱: ۱۶۰ تاریخ الخمیس ۱: ۱۲۱

﴿۳۵﴾ تاریخ الطبری ۱: ۲۲۰ الکامل فی التاریخ ۱: ۱۶۰

﴿۳۶﴾ مروج الذہب ۱: ۲۰

مورخین اسلام کے نزدیک وہ قول اَقرب اِلی الصواب معلوم ہوتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت خضر، حضرت موسیٰ سے پہلے افریدون اور ذوالقرنین کے دور میں رہے ہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی حدیث کے مطابق حضرت خضر سے ملاقات کرنے والے موسیٰؑ تھے۔ جب حضرت موسیٰؑ کو گمان ہوا کہ روئے زمین پر مجھ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت خضر کی تلاش کا حکم دیا۔ آنحضرت ﷺ امور ماضیہ و مابعد سے زیادہ واقف اور باخبر تھے، اس لیے یہ رائے صحیح ہے ﴿۳۷﴾۔ اس سے اہل کتاب کے اس قول کی تردید ہوتی ہے کہ حضرت خضر سے ملاقات کرنے والے شخص حضرت موسیٰ نہیں بلکہ موسیٰ بن منشی بن یوسف بن یعقوب تھے ﴿۳۸﴾



﴿۳۷﴾ تاریخ الطبری ۱:۲۲۱ الکامل فی التاریخ ۱:۱۶۱

﴿۳۸﴾ الکامل فی التاریخ ۱:۱۶۰

ذوالقرنین اور چشمۂ حیوان

حضرت خضرؑ کے سلسلے میں ذوالقرنین کا ذکر اکثر آتا ہے۔ذوالقرنین کون تھے،ان کا زمانہ کیا تھا؟اس سوال کے جواب میں علما مختلف الرائے ہیں۔قرآن میں جس صالح بادشاہ کا ذکر ذوالقرنین کے لقب سے آیا ہے،بعض لوگوں کے نزدیک وہ مقدونیہ کے مشہور بادشاہ سکندر یونانی (۳۵۶۔۳۲۴ق۔م) تھے۔انہیں ذوالقرنین اس لیے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے روم اور فارس کو اپنی مملکت میں شامل کیا تھا۔حضرت خضر کے ساتھ سکندر کا نام بھی لیا جاتا ہے، لیکن قرآن میں جس ذوالقرنین کا نام آیا ہے،اس کے اوصاف سکندر میں کمیاب ہیں۔اس کے علاوہ سکندر یونانی حضرت موسیٰ کے سینکڑوں سال بعد پیدا ہوئے ہیں،اس لیے یہ رائے بے وزن لگتی ہے۔جن علما نے سکندر کو ذوالقرنین کہا ہے،انہوں نے بھی تصریح کی ہے کہ ذوالقرنین اکبر دوسرے بادشاہ گزرے ہیں،جو حضرت ابراہیم کے معاصر تھے۔

بعض مورخین کے مطابق ذوالقرنین دو گزرے ہیں۔ایک کو ذوالقرنین اکبر اور دوسرے کو ذوالقرنین اصغر کہتے ہیں۔قرآن میں جس ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے وہ ذوالقرنین اکبر تھے جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے زمانے میں تھے ﴿۱﴾۔حضرت ابراہیم نے جب بئر السبع کھودا تو اردن کی ایک قوم نے زمین کا دعویٰ کیا۔حضرت ابراہیم ذوالقرنین کے پاس مقدمہ لے گئے تو بادشاہ نے ان کے حق میں فیصلہ دیا ﴿۲﴾

﴿۱﴾ التاریخ الطبری ۱:۲۲۰ الکامل فی التاریخ ۱:۱۶۰ تاریخ الخمیس ۱:۱۲۱

﴿۲﴾ علامہ ابواسحق احمد بن ابراہیم الثعلبی، قصص الانبیاء المسمی بالعرائس، اسکندریہ ۱۲۸۲ھ ص ۲۴۰

چونکہ حضرت ابراہیم کے معاصر ایران کے بادشاہ فریدون بن اثغیان بھی رہے ہیں، اس لیے بعض مورخین کی رائے یہ ہے کہ ذوالقرنین اکبر فریدون بن اثغیان ہی ہیں ﴿۳﴾ تاریخ الخمیس کے مطابق ذوالقرنین سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے، ان سے حضرت ابراہیم کی ملاقات ہوئی ہے۔ انہوں نے زمین کی سیاحت کی۔ حضرت خضرؑ ان کے آگے آگے رہتے تھے۔ دورانِ سیاحت وہ نہرِ حیات پر پہنچ گئے۔ حضرت خضرؑ نے لاعلمی میں اس کا پانی پی لیا اور ہمیشہ کے لیے زندگی پائی۔ اسی ذوالقرنین نے یاجوج وماجوج کے مقابلہ میں دیوار کھڑی کردی اور اسکندریہ کا شہر بسایا۔ حضرت ابن عباس (۳ ق ھ۔ ۶۸ھ/۶۱۹۔ ۶۸۷ء) ﴿۴﴾ کے بقول اس کا نام عبداللہ بن ضحاک تھا ﴿۵﴾

تاریخ الخمیس ہی میں سکندر یونانی کا ذکر ذوالقرنین اصغر کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس نے ایران کے بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد اس کے ملک کو قبضہ میں کیا۔ اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کی اور روم اور فارس کے علاقوں پر ایک وسیع سلطنت قائم کی، اسی وجہ سے ذوالقرنین کہلایا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ آبِ حیات کی تلاش میں ظلمات گیا جو قطب شمالی کے متصل ہے۔ اٹھارہ دنوں تک وہاں سیر کرتا رہا۔ اس کے بعد عراق لوٹا ﴿۶﴾

ان کے علاوہ بھی تاریخ میں کم از کم تین بادشاہ ایسے گزرے ہیں جنہیں ذوالقرنین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ عصر حاضر کے بعض مفسرین کی رائے ہے کہ ایران کا مشہور بادشاہ

﴿۳﴾ تاریخ الطبری ۱:۲۲۰ الکامل فی التاریخ ۱:۱۶۰

﴿۴﴾ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عباس، رسول اللہ کے چچازاد بھائی ہیں۔ آپ شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے، طائف میں وفات پائی۔ آنحضور ﷺ نے انھیں سینے سے لگا کر دعا کی تھی کہ اے اللہ انھیں کتاب وسنت کا علم عطا کردے۔ آپ حبر الامۃ اور ترجمان القرآن کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ دیکھئے: تذکرۃ الحفاظ ۱:۴۰ لواقح الانوار ۱:۲۵

﴿۵﴾ تاریخ الخمیس ۱:۱۱۵

﴿۶﴾ تاریخ الخمیس ۱:۱۱۵

خورش (۵۶۰۔۵۲۹ق.م) قرآنی ذوالقرنین کا مصداق ہے ﴿۷﴾۔لیکن حضرت خضر کے ساتھ جس ذوالقرنین کا ذکر آتا ہے وہ شواہد کی روشنی میں سکندر یونانی یا خورش کے سوا کوئی دوسرے ذوالقرنین رہے ہیں۔

بعض مورخین اور علما کی رائے ہے کہ حضرت خضر، ذوالقرنین کے خالہ زاد بھائی تھے ﴿۸﴾۔اس کے علاوہ وہ ان کے وزیر اور ان کے مقدمہ کے سردار تھے ﴿۹﴾۔

﴿۷﴾ مولانا ابوالکلام آزاد ۔ترجمان القرآن، ساہتیہ اکادمی، دہلی، طبع پنجم ۱۹۹۶ء ۴: ۴۳۰۔۵۴۲

﴿۸﴾ تاریخ الخمیس ۱: ۱۱۴ مراۃ الاسرار ۱: ۳۶

حیوٰۃ الحیوان میں ذوالقرنین کے نام ونسب کے بارے میں مختلف روایات نقل کی گئی ہیں۔ایک روایت کے مطابق ذوالقرنین کا نام اسکندر تھا۔ان کے والد علم نجوم کے ماہر تھے، انہوں نے ایک رات اپنی بیوی سے کہا کہ مسلسل جاگنے سے میری طبیعت خراب ہوگئی ہے، میں سونا چاہتا ہوں۔تم جاگتی رہو اور فلاں جگہ (انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے جگہ کی نشاندہی کی) سے جس وقت ایک ستارہ طلوع ہو اس وقت مجھ کو جگا دینا۔میں اٹھ کر تمہارے ساتھ ہم بستر ہوں گا۔تمہیں حمل ٹھہرے گا اور تمہارے بطن سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو زمانہ اخیر تک زندہ رہے گا۔یہ کہہ کر وہ سو گئے۔اتفاق یہ ہوا کہ ان کی سالی یہ بات سن رہی تھی، اس نے اپنے شوہر سے بات کہہ دی، ستارہ جب مقررہ جگہ طلوع ہوا تو سالی اپنے شوہر سے ہم بستر ہوگئی۔وہ حاملہ ہوگئی اور حمل کی مدت گزرنے کے بعد اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام خضر رکھا گیا ہے۔ذوالقرنین کی والدہ آسمان کو تک رہی تھی کہ اس کا شوہر جاگ گیا۔اس نے ستارے کو دیکھا، ستارہ اپنی جگہ سے ہٹ چکا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم نے مجھے کیوں نہیں جگایا۔اس نے جواب دیا کہ مجھ کو شرم آئی کہ اس کام کے لیے آپ کو جگاؤں، اس لیے نہیں جگایا۔یہ سن کر شوہر بولا کہ میں چالیس سال سے اس ستارے کا انتظار کر رہا تھا تم نے میری ساری محنت ضائع کر دی، خیر جو ہونا تھا سو ہوا۔ایک گھڑی کے بعد ایک دوسرا ستارہ نکلے گا، اس وقت میں تمہارے ساتھ ہم بستر ہوں گا اور اس حمل سے تمہارے بطن سے ایسا بچہ پیدا ہوگا جو سورج کے دونوں قرنوں کا مالک ہوگا، فی الواقع ایسا ہی ہوا۔اس حمل سے سکندر ذوالقرنین پیدا ہوئے اور ان کی خالہ سے حضرت خضر پیدا ہوئے۔وہب بن منبہ نے ذوالقرنین کا اصل نام سکندر اور ابن اسحاق نے ان کا اصلی نام مرزبان ابن مردوبہ اور ابن ہشام نے صعب ابن ذی مرثد الحمیری دیا ہے۔بعض علماء نے ذوالقرنین کا نام سکندر دیا ہے۔علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ سیر و تاریخ کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر نام کے دو شخص الگ الگ زمانے میں گزرے ہیں، ان میں ایک حضرت ابراہیم کے ہم عصر اور دوسرے حضرت عیسٰی کے زمانے کے قریب گزرے ہیں۔ دیکھئے حیوٰۃ الحیوان بذیل سعلاۃ، جلد دوم

﴿۹﴾ تاریخ الخمیس ۱: ۱۱۴، ۱۱۵

ایک روایت کے مطابق ذوالقرنین اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مشرق و مغرب کی سلطنت عطا کی تھی۔ ایک فرشتہ ان کا دوست تھا، جس کا نام رفائیل تھا۔ یہ فرشتہ ذوالقرنین سے ملاقات کرنے آتا تھا۔ ایک روز ذوالقرنین نے دوران گفتگو اس سے سوال کیا کہ مجھے آسمانوں میں فرشتوں کی عبادت سے آگاہ کیجئے۔ رفائیل یہ سوال سُن کر رو پڑا اور بولا کہ ہماری عبادت کے مقابلہ میں تم لوگوں کی عبادت ہی کیا ہے۔ آسمان میں اللہ تعالیٰ کے ایسے فرشتے ہیں جو ہمیشہ قیام میں رہتے ہیں، کبھی بیٹھتے نہیں، ایسے بھی فرشتے ہیں جو ہمیشہ سجدے میں پڑے رہتے ہیں، کبھی سجدے سے سر اٹھاتے ہی نہیں اور ایسے بھی فرشتے ہیں جو ہمیشہ رکوع میں رہتے ہیں، کبھی کھڑے ہوتے ہی نہیں، اس پر بھی یہ فرشتے پڑھتے ہیں:

ربنا ما عبدناک حق عبادتک

"اے ہمارے پروردگار، ہم آپ کی عبادت نہیں کر پائے جیسی کہ آپ کی عبادت کا حق تھا۔"

یہ سن کر ذوالقرنین روئے اور رفائیل سے کہا، اے رفائیل! میں چاہتا ہوں کہ میری عمر طویل ہو، تاکہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کروں جیسا کہ اس کی بندگی کا حق ہے۔ رفائیل نے کہا کیا واقعی تم ایسا چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا "ہاں"۔ رفائیل نے کہا "اللہ تعالیٰ کا ایک چشمہ ہے جسے 'چشمہ حیوان' کہتے ہیں۔ جو اس میں سے ایک گھونٹ پانی پی لے، اسے کبھی موت نہیں آسکتی، جب تک وہ خود اللہ تعالیٰ سے موت کی درخواست نہ کرے"۔ ذوالقرنین نے رفائیل سے پوچھا، کیا آپ وہ مقام جانتے ہیں؟ تو اس نے صرف اتنا بتایا کہ ہم آسمان میں آپس میں چرچا کرتے رہتے ہیں کہ ایک تاریک (ظلمت) مقام ایسا ہے جہاں کسی انسان یا جن کے قدم نہیں پہنچے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ چشمہ اسی ظلمات میں ہوگا۔ ذوالقرنین نے زمین کے علماء کو جمع کر کے ان سے چشمۂ حیوان کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے کہا کہ ہم کو چشمۂ حیوان کا علم نہیں ہے۔ ذوالقرنین نے پوچھا کہ کیا تمہیں اس کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی

تاریک مقام پیدا کیا ہے؟ ان میں سے ایک عالم نے کہا کہ آپ اس کے بارے میں ہم سے کیوں سوال کرتے ہیں؟۔ ذوالقرنین نے اپنا مدعا بیان کیا، تو عالم نے کہا "میں نے حضرت آدمؑ کی وصیت میں اس ظلمات یا تاریک مقام کا بیان پڑھا ہے، اور یہ مقام سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پر ہے"۔ ذوالقرنین نے سفر کی تیاری شروع کی۔ بارہ سال تک سفر کرتے رہے اور اس کے بعد تاریک مقام کے کنارے تک پہنچے۔ وہاں رات نہیں تھی، دھواں سا اُٹھ رہا تھا۔ اس نے فوج کو جمع کیا اور کہا کہ میں آگے جانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے منع کیا، ان کے ہمراہ جو علما تھے انہوں نے بھی انہیں اس ارادہ سے باز رہنے کو کہا کہ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو، لیکن ذوالقرنین نے ماننے سے انکار کیا اور چھ ہزار فوجیوں کو منتخب کیا، جن کی سواری کے لیے چھ ہزار باکرہ گھوڑیاں تیار کیں۔ خضر کو دو ہزار آدمیوں پر مشتمل مقدمہ کا سردار بنایا۔ حضرت خضرؑ آگے آگے چل پڑے۔ ذوالقرنین کے چھپانے کے باوجود حضرت خضر جانتے تھے کہ وہ کیا تلاش کر رہے ہیں۔ حضرت خضر چلتے چلتے ایک وادی تک پہنچ گئے، وہ سمجھ گئے کہ چشمہ اسی وادی میں ہے۔ انہوں نے وادی کے بالائی حصہ پر پہنچ کر اپنے ساتھیوں کو روکا اور خود آگے بڑھ گئے۔ چلتے چلتے وہ پانی کے ایک چشمے کے کنارے پہنچ گئے۔ پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں تھا۔ انہوں نے کپڑے اتارے، پانی پیا، وضو اور غسل کر کے باہر آگئے اور کپڑے پہن کر چلے آئے۔ جب بادشاہ ذوالقرنین وہاں گیا تو اسے چشمہ نہ ملا ﴿۱۰﴾۔ یہ روایت حضرت امام جعفر صادق (۸۰۔۱۴۸ھ / ۶۹۹۔۷۶۵ء) ﴿۱۱﴾ نے اپنے والد سے کی ہے۔

﴿۱۰﴾ الاصابہ ۲: ۲۹۱۔۲۹۳ البدایہ والنہایہ ۲: ۱۰۷ قصص الانبیاء المسمی بالعرائس ص ص ۳۹۸۔۴۰۰

﴿۱۱﴾ ابوعبداللہ جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب الہاشمی المعروف بہ الصادق، خانوادہ رسالت کے چشم و چراغ، مشہور امام اور فقیہہ ہیں۔ ورع و پرہیزگاری اور علم و نفقہ میں یکتائے روزگار تھے، مدینہ منورہ میں وفات پائی۔
دیکھیے: سفینۃ الاولیاء ص ۲۵ لوائح الانوار ۱: ۳۲

ایک روایت کے مطابق ذوالقرنین نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ سام بن نوح کی اولاد میں سے ایک شخص چشمہ حیوان سے آبِ حیات پی کر اَبدی زندگی پائے گا۔ چنانچہ اس نے آب حیات کی تلاش میں سفر شروع کیا، حضرت خضر اس کے وزیر اور خالہ زاد بھائی تھے۔ وہ ان کے مقدمۃ الجیش پر تھے۔ وہ چشمہ حیوان تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے، اور انہوں نے اس کا پانی پی لیا۔ ذوالقرنین ناکام رہا ﴿۱۲﴾۔ ایک اور قول کے مطابق حضرت آدم نے اپنے فرزند حضرت شیث کو وصیت کی تھی کہ زمین پر مغرب کی جانب اللہ تعالیٰ کا ایک تاریک مقام ہے اور اس میں چشمہ حیوان (عین الحیاۃ) ہے۔ چنانچہ ذوالقرنین کو اس وصیت کا علم ہوا تو انہوں نے مغرب کی جانب سفر کا قصد کیا ﴿۱۳﴾

کہا جاتا ہے کہ ذوالقرنین کی ملاقات اس سفر میں ایک فرشتہ سے ہوئی، اس نے ذوالقرنین کو ایک پتھر دیا، جب ذوالقرنین واپس اپنی فوج میں آیا تو اس نے علما سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے اسے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا اور دوسرے پلڑے میں اسی پتھر کی ضخامت کے ایک ہزار پتھر رکھے، تب اس کا وزن برابر ہوا۔ حضرت خضر سے سوال کیا گیا تو انہوں نے اس پتھر پر مٹھی بھر مٹی رکھ دی، جب وزن برابر ہوا تو انہوں نے کہا کہ اس کی مثال بنی آدم کی ہے۔ جب تک وہ مٹی میں نہیں چلا جاتا، اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ یہ سن کر علما نے احترام واکرام کے طور پر سجدہ کیا ﴿۱۴﴾

ابوحاتم بجستانی کی بیان کی ہوئی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلا کر کہا کہ اللہ تعالیٰ اہل زمین پر عذاب نازل

﴿۱۲﴾ تاریخ الخمیس ۱:۱۱۴ قصص الانبیاء المسمی بالعرائس ص ۳۰۱

﴿۱۳﴾ تاریخ الخمیس ۱:۱۱۴

﴿۱۴﴾ البدایہ والنہایہ ۲:۱۰۷-۱۰۸ قصص الانبیاء المسمی بالعرائس ص ۳۰۱

کرنے والا ہے، اس لیے طوفان کے دوران میری لاش کشتی میں پہاڑ پر اپنے ساتھ رکھنا۔ جب تم پہاڑ سے اتر جاؤ تو میری لاش لے جا کر سرزمین شام میں دفن کرو۔ ان کا جسد خاکی ان کی اولاد کے پاس رہا۔ جب حضرت نوحؑ مبعوث ہوئے تو انہوں نے ان کی لاش کو اپنی ولایت میں لیا۔ حضرت نوح کے زمانے میں طوفان آیا تو زمین پر ایک زمانہ تک پانی رہا، جب نوحؑ طوفان ختم ہونے کے بعد بابل میں اترے تو انہوں نے اپنے تین بیٹوں سام، یافث اور حام کو وصیت کی کہ وہ حضرت آدمؑ کی لاش لے جا کر اس جگہ دفن کریں جس کے لیے حضرت آدمؑ نے وصیت کی تھی۔ انہوں نے جواب دیا، ابھی زمین ویران اور غیر آباد ہے۔ ہم لوگوں کو راستہ بھی نہیں ملے گا۔ ذرا رک جائیں تا کہ لوگ خوف سے مامون ہو جائیں، اِدھر اُدھر پھیل جائیں۔ شہروں کی وحشت دور ہو جائے اور زمین خشک ہو جائے، یہ سن کر حضرت نوح نے ان سے کہا کہ حضرت آدم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ جو اُن کی لاش دفن کرے گا، اس کی زندگی قیامت تک لمبی ہو۔ لاش اسی طرح رہی یہاں تک کہ حضرت خضر نے اس کے دفن کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ انہوں نے اس لاش کو دفن کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ابدی زندگی عطا کی ﴿۱۵﴾۔

اس روایت میں حضرت خضر کی ابدی زندگی کے بارے میں چشمہ حیوان یا نہرِ حیات کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی اس روایت میں ذوالقرنین کا نام آیا ہے، لیکن دوسری متعدد روایات میں ذوالقرنین کے ساتھ حضرت خضر کا نام آیا ہے۔ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ذوالقرنین نام کے کئی بادشاہ گزرے ہیں۔ ان میں دو بادشاہوں کا نام سکندر تھا تاہم جس ذوالقرنین کے ساتھ حضرت خضر کا نام لیا گیا ہے وہ ایران کے بادشاہ خورش اور یونان کے سکندر کے علاوہ اور کوئی شخصیت ہے۔ اغلب یہ ہے کہ وہ حضرت موسیٰ سے پہلے حضرت ابراہیم کے دور میں رہے

﴿۱۵﴾ کتاب المعمرین ص ۱ البدایہ والنہایہ ۱:۳۲۶ قصص الانبیاء ۲:۵۱۸۔۵۱۹ روح المعانی ۱۵:۳۲۲

ہیں جس کی طرف بعض مورخین نے بھی اشارہ کیا ہے۔

مشہور روایت ہے کہ حضرت خضر نے چشمۂ حیوان سے آبِ حیات پی جس سے انہیں طویل زندگی نصیب ہوئی۔ بعض علما نے آب حیات کی روایت کو افسانوی داستان کہہ کر رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن آب حیات کا تذکرہ متعدد کتابوں میں آیا ہے۔



فارسی شاعری

آب حیات کی تلاش

چشمۂ حیوان، آب حیات اور حیات جاوداں کا تصور ادبیات مشرق و مغرب کا دلچسپ موضوع رہا ہے۔ سریانی، کلدانی، یونانی، عبرانی، عربی، فارسی، لاطینی، انگریزی، فرانسیسی اور دوسری زبانوں میں اس قصہ کو کسی نہ کسی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔ اسلام سے پہلے اہل بابل، یہودی اور یونانی ایسی روایات سے واقف رہے ہیں جن میں آبِ بقا کا بیان ملتا ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں بابل، مصر، یونان اور ایران کے لوگ تہذیب و تمدن میں ایک دوسرے سے متاثر ہوتے رہے ہیں۔ اس لیے اہل ایران بھی آب بقا کے تصور سے واقف ہوئے۔ سکندر کی فتوحات کا دائرہ یونان، مصر، بابل اور ایران تک وسیع تھا، اس لیے چاروں قومیں میل جول اور آپسی روابط سے ایک دوسرے کے معتقدات و خیالات سے واقف ہوئیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان چاروں قوموں کی قدیم تاریخ کے متعدد واقعات مشترک ہیں۔ اس لیے کسی قوم کی تاریخ بیان کرتے وقت دوسری قوموں کا ذکر ناگزیر ہوتا ہے جس کی مثالیں ان کے منظوم رزمیوں میں ملتی ہیں۔

فارسی کے مشہور شاعر فردوسی (۳۲۰۔۴۱۱ھ/۹۳۲۔۱۰۲۰ء) ﴿۱﴾ نے اہل ایران کی

﴿۱﴾ ابوالقاسم حسن بن اسحٰق بن شرف شاہ المتخلص بہ فردوسی طوس کے مضافات میں پیدا ہوئے۔ ایران کی قدیم تاریخ ''شاہنامہ'' کے نام سے تصنیف کی۔ جس کا شمار دنیا کی لافانی کتابوں میں ہوتا ہے۔ فردوسی کو شاہنامہ لکھنے کا خاطر خواہ صلہ نہ ملا اور وہ مایوسی اور پریشانی کی حالت میں وفات پا گئے۔ دولت شاہ سمرقندی۔ تذکرۃ الشعراء۔ مرتبہ شیخ محمد اقبال صافی، لاہور ۱۹۲۴ء ص ۲۶ مولانا شبلی نعمانی۔ شعرالعجم، مطبع اعظم گڑھ، طبع ششم ۱۹۷۲ء ۱:۸۲

قدیم تاریخ شہرہ آفاق منظوم رزمیہ ''شاہ نامہ'' کی صورت میں لکھی ہے جس میں انھوں نے سکندر کی فتوحات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مشہور عام روایت کی بنا پر مصنف بھی اس کے قائل تھے کہ سکندر نے آب حیات کی تلاش میں ظلمات کا سفر کیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے شاہ نامہ میں ''رفتنِ اسکندر بتاریکی بجستن آب حیات'' کے عنوان کے تحت سکندر کے ناکام و نامراد سفر ظلمات کی داستان بیان کی ہے ﴿۲﴾

فردوسی کے بعد نظامی گنجوی (۵۳۳۔۵۹۶ھ/۱۱۳۸۔۱۱۹۹ء) ﴿۳﴾ نے اسرائیلی، یونانی اور ایرانی روایات کو ملا کر یونانی فاتح کی منظوم داستان ''سکندر نامہ'' تحریر کی۔ فردوسی کی طرح نظامی گنجوی نے بھی منچلے نوجوان فاتح کو ذوالقرنین سمجھا ہے۔ چونکہ قرآن میں ذوالقرنین کا ذکر ایک صالح، دین دار اور نیک بادشاہ کی حیثیت سے آیا ہے اس لیے فردوسی اور نظامی کو اس کی تاریخ بیان کرتے وقت وہ دقت پیش نہیں آئی جو ایک قوم پرست مورخ کو اس کی قوم پر حملہ آور اور غیر مذہبی فاتح کا ذکر کرتے وقت اکثر پیش آتی ہے اور جس کے نتیجے میں خود مورخ بھی اندرونی نفسیاتی کشمکش کا شکار ہو جاتا ہے۔

نظامی گنجوی نے اپنے پروازِ تخیل اور زور بیان کی مدد سے یونانی، یہودی اور پہلوی روایات کو ملا کر سکندر کی ایسی تصویر کھینچی ہے جس کا آب و رنگ کشور کشائی، نبوت اور حکمت کے اجزاء ترکیبی سے تیار کیا گیا ہے۔ مصنف نے سکندر کو ایک کشور کشا کے علاوہ خدا ترس، دین دار، صاحب فہم و فراست، عالم و فاضل اور حلیم و بردبار بادشاہ کے روپ میں پیش کیا ہے،

﴿۲﴾ حکیم ابوالقاسم فردوسی طوسی۔ شاہ نامہ، مطبع فتح الکریم بمبئی ۱۳۰۶ھ، جلد سوم ص ۴۲

﴿۳﴾ ابو محمد الیاس یوسف نظام الدین نظامی گنجوی کا مولد و منشا اور مدفن گنجہ ہے۔ آپ کو اخی فرخ زنجانی سے نسبت ارادت تھی۔ فارسی شاعری میں آپ کے کلام کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ تمام عمر سلاطین سے مجتنب رہتے ہوئے توکل میں زندگی بسر کی۔ خمسہ نظامی کے لیے مشہور ہیں۔ دیکھیے: مولوی مہدی حسین ناصری۔ ضا دید عجم الہٰ آباد ۱۹۸۹ء ص ۱۵۷ ملا عبدالنبی فخر الدین قزوینی۔ تذکرہ میخانہ، تصحیح و تنقیح گلچین معانی طہران ۱۳۸۰ھ ص ۱۱ شعر العجم ۱:۲۵۵

چنانچہ انھوں نے سکندر نامہ برّی میں فتوحات کا ذکر کر کے اگر ایک طرف اس کی جہاں گیری بیان کی ہے تو سکندر نامہ بحری میں حکماء یونان کی طرف سے پوچھے گئے سوالات کے حکیمانہ جوابات سکندر سے دلوا کر بادشاہ کو اقلیم سیاست کے تاجدار کے ساتھ ساتھ بزم فکر و دانش کا مسند نشین بھی ثابت کیا ہے۔

نظامی گنجوی خود بھی ارباب حال میں شمار ہوتے ہیں اس لیے ان کی تخلیق سکندر نامہ میں اہل تصوف اپنے معانی و مفاہیم تلاش کرتے ہیں۔ سکندر نامہ برّی میں مصنف نے سکندر کے سفر ظلمات کی داستان ''رفتن سکندر بتلاش آب حیات'' کے زیر عنوان بیان کی ہے۔

مصنف کے بیان کے مطابق روس کو فتح کر کے سکندر نے ایک روز دربار آراستہ کرایا اور مجلس منعقد کی۔ درباریوں نے مختلف ملکوں کی خاص خاص چیزوں کا ذکر کیا۔ ایک درباری نے خراسان وغور کی دولت مندی، دوسرے نے ہندوستان کے شہر قیصور کے کافور وصندل کی اور تیسرے نے خوارزم اور چین کے مشک و دیبا کی تعریف کی۔ چوتھے نے ہندوستان کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس ملک کا ایندھن عود اور گل عبیر ہے۔ دربار میں ایک بوڑھا دانشمند بھی موجود تھا۔ جب اس کے کلام کرنے کی باری آئی تو حسب دستور زمین بوسی کرنے کے بعد اس نے عرض کی کہ یہ تمام خزانے انسان کی زندگی کا ہم پلہ نہیں ہو سکتے، کیونکہ خزانے اور ان کے مالک آخر کار خاک میں چلے جاتے ہیں۔ ان تمام ملکوں سے بہتر وہ تاریکی (ظلمات) ہے جس میں آب حیات کا ایک چشمہ ہے کہ جو کوئی اس چشمہ سے پانی پیئے گا وہ کبھی نہیں مرے گا۔ سکندر نے ظلمات کے بارے میں مزید تفصیلات پوچھیں تو بوڑھے نے کہا کہ قطب شمالی کے دامن میں (یا اس سے متصل) ایک تاریک علاقہ ہے جسے ظلمات کہتے ہیں۔ اسی ظلمات میں حیات بخش آبِ زلال کا ایک چشمہ ہے، اگر حضور کو میری باتوں کا یقین نہ آئے تو ''زیر کان کہن'' سے دریافت فرما لیں۔

بوڑھے کی باتوں سے بادشاہ کے دل میں ابدی زندگی پانے کی خواہش پیدا ہوئی ،اس نے سفر کی تیاری کے بعد فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ بیماروں اور بوڑھوں کو وہیں چھوڑا ،اور تنومند نوجوانوں اور چند مقامی لوگوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھا۔ زادراہ گھوڑوں اور بیلوں پر لادلیا گیا۔فوج میں شامل ایک نوجوان نے از راہ شفقت اپنے ضعیف اور بوڑھے باپ کو زادراہ کے صندوق میں بند کر کے اپنے ساتھ لیا۔روزانہ دو منزل کی مسافت طے کرتے ہوئے ایک ماہ بعد بادشاہ اپنے ہمراہیوں سمیت شمال کی طرف بڑھتے بڑھتے ایک مقام پر پہنچ گیا۔جہاں دھوپ بالکل نہیں تھی ۔دن میں ہلکی سی روشنی تھی ۔جنوب کی طرف تھوڑی سی روشنی ظاہر ہوئی۔ لیکن وہ بھی جلد ہی غائب ہوگئی ۔شام کے وقت اس ''نیم روشن دیار'' کی مدھم روشنی بھی غائب ہوگئی اور ہر طرف تاریکی چھاگئی ۔اس علاقے کا دن عود کی طرح سیاہی مائل اور رات انتہائی سیاہ تھی ۔سکندر پریشان ہوا کہ اگر اس تاریکی میں سفر جاری رکھا جائے تو واپس کیسے ہوں گے ؟ اس کی پریشانی کا ذکر اس نوجوان فوجی نے اپنے باپ سے کیا جسے وہ بادشاہ اور ہمراہیوں کی بے خبری میں اپنے ساتھ زادراہ کے صندوق میں بند کر کے لایا تھا۔ بوڑھے نے نوجوان بیٹے کی زبانی بادشاہ کی پریشانی کا ذکر سن کر کہا کہ تاریکی میں سفر کے اختتام کے بعد واپس آنے کی صورت صرف یہ ہے کہ ایک ایسی گھوڑی لائی جائے جو پہلی دفعہ گابھن ہو اور وہ اس مقام پر بچہ دے جہاں بادشاہ اس وقت ٹھہرے ہوئے ہیں ۔اس بچہ کا سر کاٹ کر زمین میں ڈال دیا جائے تا کہ اس کی ماں دیکھ لے ،گھوڑی فوج کے ساتھ سفر میں رہے ، پھر جب واپسی ہو تو اسی گھوڑی کو آگے کیا جائے ،وہ سونگھ سونگھ کر اپنے بچہ کی تلاش میں اصل مقام پر واپس آئے گی ۔نوجوان نے سکندر سے جان کی امان طلب کرتے ہوئے تجویز رکھی تو اسے یہ تجویز قابل عمل نظر آئی۔

بادشاہ نے تجویز کے مطابق گھوڑی کو ساتھ لیا ،فوج کے اگلے دستے پر اس نے حضرت خضر کو ،جو اس کی فوج کے ساتھ تھے ،سردار بنا کر آگے بھیج دیا۔حضرت خضر کچھ ہی دور چل کر

اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئے، لیکن ہمت سے کام لے کر انہوں نے تنہا سفر جاری رکھا۔ چلتے چلتے وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں ستارہ صبح کی مانند کوئی چیز چمکتی نظر آئی۔ نزدیک پہنچے تو صاف شفاف پانی کا چشمہ تھا۔ حضرت خضر بہت خوش ہوئے، انہوں نے اس میں سے پانی پی لیا اور نہایا۔ وہ جان گئے کہ سکندر اس سے محروم رہے گا، اس لیے وہ از راہ شرم بادشاہ کے پاس واپس نہیں آئے۔ سکندر چالیس روز تک آب حیات کی تلاش میں ظلمات میں پھرتا رہا، لیکن ابدی زندگی اس کی قسمت میں نہیں تھی، چشمۂ حیوان اسے نہیں ملا۔ واپسی کا ارادہ کیا تو ہاتف غیبی نے آواز دی کہ انسان کی روزی پہلے سے مقرر ہے۔ بادشاہ نے واپسی کے وقت اسی مادیان کو آگے کیا۔ جب چلتے چلتے چالیس روز پورے ہوئے تو ظلمات سے باہر نکل آئے۔ سکندر وہاں سے ایک پتھر لایا، جب دنیا میں موجود پتھروں کے مقابلے میں اس کا وزن کیا گیا تو اتنے ہی بڑے سو پتھروں کے برابر نکلا۔ حضرت خضر وہاں سے گزر رہے تھے، دور ہی سے آواز دی کہ یہ پتھر مشت خاک کا ہم وزن ہے ﴿۴﴾

فردوسی کا بیان ہے کہ سکندر نے حضرت خضر کو آگے روانہ کیا تو ان سے کہا "میرے پاس دو مہرے ہیں جو تاریکی میں سورج کی طرح چمکتے ہیں، ان میں سے ایک مہرہ (تسبیح کا دانہ) آپ اپنے ساتھ رکھ لیں تاکہ اندھیرے میں آپ کے کام آئے، دوسرا مہرہ میرے لیے شمع راہ کا کام دے گا ﴿۵﴾۔ مشہور مفسر امام ثعلبی نیشا پوری (المتوفی ۴۲۷ھ/۱۰۳۵ء) ﴿۶﴾ کا کہنا ہے کہ ذوالقرنین نے حضرت خضر کو ایک سرخ مہرہ دیا اور کہا کہ راستہ کھو جانے کی صورت میں اسے زمین پر ڈال دینا۔ جب اس سے آواز نکلے تو کھویا ہوا شخص آواز کی سمت میں چل کر اپنے

﴿۴﴾ نظامی گنجوی۔ سکندر نامہ بری۔ مطبع منشی گلاب سنگھ لکھنؤ (بدون سنہ طباعت) ص ص ۵۱۳۔۵۳۸

﴿۵﴾ شاہ نامہ، جلد سوم ص ۴۳

﴿۶﴾ ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم المعروف بہ امام ثعلبی النیشاپوری، مفسر، مقری، واعظ اور ادیب تھے۔ ان کی تصانیف میں الکشف والبیان عن تفسیر القرآن اور قصص الانبیاء المسمی بالعرائس مشہور ہیں۔ دیکھئے: معجم المولفین ۲: ۶۰

ساتھیوں سے ملے، چنانچہ حضرت خضر اسی مہرہ کی مدد سے آب حیات تک پہنچ گئے، اور اسی سے واپسی میں اپنے ساتھیوں سے ملے ﴿۷﴾

مفسر ثعلبی کی بیان کردہ ایک روایت کے مطابق ذوالقرنین چالیس روز تک ظلمات میں پھرنے کے بعد ایک جگہ پہنچے جہاں ایسی روشنی تھی جو سورج اور چاند کی روشنی سے مختلف تھی۔ اس جگہ کی زمین لال ریتلی اور خشخاشی تھی۔ اس مقام پر ایک مربع فرسخ پر بڑا محل تھا۔ محل میں ایک طرف سے دوسری طرف تک لوہا لگا ہوا تھا۔ ذوالقرنین محل میں داخل ہوا تو خطاف (ایک جانور) سے ملتا جلتا ایک سیاہ جانور دیکھا۔ اس کی ناک میں نکیل پڑی ہوئی تھی اور اسے آسمان اور زمین کے درمیان ایک معلق زنجیر سے باندھا گیا تھا۔ جب اس نے ذوالقرنین کی آہٹ سنی تو پوچھا، تم کون ہو؟ ذوالقرنین نے جواب دیا "میں ذوالقرنین ہوں"۔ جانور نے پوچھا "اے ذوالقرنین تم کس طرح مجھ تک پہنچے"؟ میں تم سے چند سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ ذوالقرنین نے کہا "پوچھ لو"۔ جانور نے پوچھا "کیا دنیا میں پتھر اور پختہ اینٹوں کی تعمیرات کا رواج عام ہو گیا ہے"؟ ذوالقرنین نے جواب دیا "ہاں"۔ جواب سن کر جانور نے پَر پھڑ پھڑائے اور پھونک ماری، اس کا جسم تہائی لوہے تک پھیل گیا۔ اس نے ذوالقرنین سے پھر سوال پوچھا "کیا دنیا میں جھوٹی گواہی عام ہو گئی ہے"؟ ذوالقرنین نے جواب دیا "ہاں"۔ اس نے پھر پَر پھڑ پھڑائے اور پھونک ماری، اس کا جسم پورے لوہے میں پھیل کر دیواروں سے لگا۔ یہ دیکھ کر ذوالقرنین خوف زدہ ہوئے۔ جانور نے کہا "ڈرو مت، میری باتوں کا جواب دو"۔ ذوالقرنین نے کہا "پوچھ لو، میں ضرور جواب دوں گا"۔ اس نے پوچھا "کیا لوگوں نے لا الٰہ الا اللہ پڑھنا اب چھوڑ دیا ہے"؟ ذوالقرنین نے کہا "نہیں"، جانور تہائی لوہے تک سمٹ گیا۔ اس نے پھر سوال پوچھا "کیا لوگوں نے اب غسل جنابت کرنا ترک کر دیا ہے"؟ ذوالقرنین

﴿۷﴾ قصص الانبیاء المسمی بالعرائس ص ص ۳۹۸-۴۰۰

نے جواب دیا "نہیں"۔ جانور جواب سن کر اپنی پہلی حالت پر لوٹ آیا، اس نے ذوالقرنین سے کہا کہ اس سیڑھی کے ذریعے محل کے اوپر جاؤ۔ ذوالقرنین ڈرتے ڈرتے اوپر چڑھے، تو اس نے وسیع چھت پر نوجوان آدمی جیسا دیکھا جو سفید کپڑوں میں ملبوس، آسمان کی طرف منہ کیے کھڑا تھا اور اس کا ہاتھ اس کے منہ میں تھا۔ جب اس نے ذوالقرنین کی آہٹ سنی تو اس نے پوچھا "کون ہو"؟ ذوالقرنین نے جواب دیا "میں ذوالقرنین ہوں"، اس نے کہا: "اے ذوالقرنین قیامت قریب آ گئی ہے، میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا منتظر ہوں۔ وہ مجھے حکم دے تو میں صور پھونکوں"۔ اس کے بعد اس نے اپنے سامنے سے ایک پتھر اٹھا کر ذوالقرنین کو دیا، جب ذوالقرنین سفر سے واپس آیا تو اس پتھر کا وزن دنیا کے پتھروں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ نکلا، لیکن جب مشتِ خاک سے وزن کیا گیا تو برابر نکلا ﴿۸﴾

چشمۂ حیوان یا آبِ حیات کی مختلف تعبیریں ملتی ہیں۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ آب حیات صرف آخرت میں ہوگا، بعض کے نزدیک آب حیات کا وجود خیالی ہے۔ مگر نظامی گنجوی کہتے ہیں کہ اگر آب حیات کا وجود نہ ہوتا، تو کتابوں میں اس کا ذکر ہی کیوں ہوتا ﴿۹﴾

فردوسی کا بیان ہے کہ سکندر نے وہاں حضرت اسرافیل کو ہاتھ میں صور لیے ہوئے دیکھا ﴿۱۰﴾ مگر نظامی نے اسے خلاف عقل سمجھ کر یا اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے نظر انداز کر دیا ہے ﴿۱۱﴾ نظامی کا بیان ہے کہ "رومیان کہن" کی اس داستان کو یوں بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت خضرؑ کے ساتھ حضرت الیاسؑ تھے۔ سفر میں ایک چشمہ پر سے گزر ہوا۔ دونوں نے چشمہ کے کنارے اپنا دستر خوان بچھایا، انہوں نے کھانے کے لیے ایک نمک دی ہوئی مچھلی

﴿۸﴾ قصص الانبیاء المسمی بالعرائس ص ص ۴۰۰۔۴۰۱

﴿۹﴾ سکندر نامہ بری ص ۵۳۴ ۔ اگر نیست آں آب در تیرہ خاک / چرا نامش از نامہا نیست پاک

﴿۱۰﴾ شاہ نامہ جلد سوم ص ۷۳ ۔ سرافیل را دید صوری بدست / برافراختہ سر ز جای نشست

﴿۱۱﴾ سکندر نامہ بری ص ۵۳۰ ۔ حدیث سرافیل و آواز صور / نگفتم کہ راہی شد از راہ دور

ساتھ لی تھی۔ان میں سے ایک کے ہاتھ سے مچھلی پانی میں گری، پانی کے اثر سے مچھلی زندہ ہو گئی۔دونوں بزرگ جان گئے کہ آب حیات کا چشمہ یہی ہے،دونوں نے پانی پی لیا اور ابدی زندگی پالی۔نظامی کا کہنا ہے کہ تعجب اس پر نہیں ہے کہ مچھلی پانی سے زندہ ہوگئی، بلکہ تعجب اس پر ہے کہ مردہ مچھلی نے چشمۂ زندگی کا پتہ بتا دیا ﴿۱۲﴾۔

شاہ نامہ یا سکندر نامہ میں چشمہ بقا یا آب حیات کا بیان محض فردوسی یا نظامی کی خیال آفرینی یا شاعری نہیں ہے۔ بلکہ یونانی زبان میں ایک گم نام مصنف نے سکندر کی داستان ۳۰۰ق.م میں لکھی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ سکندر ابدی زندگی پانے کے لیے آب حیات کی تلاش میں نکلا۔اس کے ساتھ اس کا باورچی (Andreas) بھی تھا۔باورچی سفر کرتے کرتے ایک چشمہ پر پہنچ گیا اور وہاں کھانا بنانے لگا۔اس نے اپنے ساتھ نمک دی ہوئی ایک خشک مچھلی بھی لی تھی۔ وہ اس مچھلی کو پانی سے صاف کرنے لگا تو وہ زندہ ہوگئی۔باورچی نے اس چشمہ سے پانی پی لیا اور ہمیشہ کے لیے زندگی پالی۔سکندر نے اس چشمہ کو بہت تلاش کیا لیکن اسے چشمہ نہ ملا۔جب اسے معلوم ہوا کہ باورچی نے اس چشمہ کا پانی پی لیا ہے تو اس کے دل میں حسد پیدا ہوا۔اس نے باورچی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن وہ اس کے قتل پر قادر نہ ہوسکا۔آخر میں اس نے باورچی کی گردن میں پتھر باندھ کر دریا میں پھینک دیا جہاں اس نے سمندری دیوتا (Sea Demon) کی صورت اختیار کی ﴿۱۳﴾۔

☆☆☆

﴿۱۲﴾ سکندر نامہ بری ص ص ۵۲۶۔۵۲۸

﴿۱۳﴾ Encyclopaedia of Religion and Ethics art.Khidr By I.Friedlaender 1914 vol.8 pp.693-694

بابل کی تہذیب

حیات جاوداں کا تصور

حیات جاوداں کا تصور اہل بابل کے یہاں بھی رہا ہے۔کھدائی کے دوران برآمد ہونے والے کتبات سے طوفانِ نوح کے بارے میں جو نئی معلومات سامنے آئی ہیں ان میں بارہ الواح پر مشتمل ایک لمبی داستان بھی شامل ہے جس کا ہیرو ارک کا بادشاہ جل جیمس (Gilgames) ہے۔ ان قدیم کتبات میں درج بعض بیانات کا زمانہ تقریباً ۲۰۰۰ق.م۔ ۱۵۰۰ق.م بتایا جاتا ہے ﴿۱﴾۔ داستان کے مطابق بادشاہ جل جیمس دو تہائی دیوتا اور ایک تہائی انسان تھا ﴿۲﴾۔اس عجیب وغریب خلقت کی بنا پر کسی دوسرے انسان کے ساتھ اس کا نباہ مشکل تھا۔اس لیے ارک کی دیوی ارورو نے ابانی جسے انکیڈو بھی کہا جاتا ہے، کو پیدا کیا۔ ابانی کی ابتدائی زندگی جنگلی اور وحشی جانوروں کے ساتھ گزری۔وہ مضبوط جسم اور غیر معمولی جنسی خواہشات کا مالک تھا۔آخر کار وہ ایک طوائف کے جال میں آکر شہر ارک میں قیام پذیر ہوا جہاں جل جیمس کی ماں کے کہنے پر جل جیمس نے اسے اپنا ساتھی بنالیا۔

جل جیمس، ابانی کو ساتھ لے کر مشرق میں واقع ایک پہاڑ پر قیام کرنے والی دیوی اشتار، جو ارک کی دیوی تھی اور جسے الامیوں نے اٹھا لے جا کر سخت پہرے میں رکھا تھا، کو حاصل

﴿۱﴾ Encyclopaedia of Religion and Ethics.see "art Babylonians and Assyrians By H. Zimmern", London 1930 vol.2 p.314

﴿۲﴾ Encyclopaedia of Religion and Ethics, New york 1913. see art. Heroes and Hero-gods (babylonian) by T.G.Pinches vol.6 p.643

کرنے کے لیے ایک مہم پر روانہ ہوئے۔دونوں نے دیوی کے پہرہ دار ہمبابا کو قتل کر کے اس کا سر کاٹ لیا۔اشتار نے اس کے بعد جل جیمس کو محبت کی پیش کش کی لیکن چونکہ اس نے بہت سے لوگوں کے ساتھ عشق کر کے انھیں تباہ کر دیا تھا اس لیے جل جیمس نے اس کی پیش کش کو ٹھکرادیا۔اشتار نے ناراض ہو کر اپنے والدین سے شکایت کی جنھوں نے جل جیمس کو ختم کرنے کے لیے آسمان سے ایک بیل بھیجا۔جل جیمس اور ابانی نے بیل کو ہلاک کیا۔اس سے اشتار کو اور غصہ آیا۔جل جیمس کو نا قابل علاج بیماری لاحق ہوئی اور ابانی بیمار ہو کر مر گیا۔ابانی کی موت سے جل جیمس غمگین ہو گیا۔ابانی کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے اس نے قدیم بزرگ اور عقل کل (Utnapeshtim) اتنا پشتم کی تلاش میں جو طوفان کا ہیرو ہے (نوحؑ کی طرف اشارہ ہے) دریاؤں کے دہانے کی کھوج لگانے کے لیے سفر شروع کیا لیکن وہاں تک پہنچنے کا راستہ دشوار تھا۔پہلے تو راستہ انتہائی غیر آباد اور ناہموار تھا۔جہاں شیروں کے کچھار تھے۔اس کے بعد مشو کا تاریک پہاڑ (کوہ ظلمات) تھا جس کے دروازے پر دو خوفناک اژدھا نما انسان پہرہ دے رہے تھے۔انھوں نے بڑی مشکل سے جل جیمس کو اندر جانے دیا۔پہاڑ کے دوسری طرف پہنچ کر ساحل سمندر پر اس نے دیوتاؤں کا عجیب وغریب باغ دیکھا جہاں دیوی سیتو پردہ اوڑھے ہوئے سمندر کے تخت (ممکن ہے جزیرۃ البحر مراد ہو) پر براجمان تھی۔سیتو نے اسے ہدایات دیں کہ وہ کس طرح اتنا پشتم تک پہنچ سکتا ہے۔دیوی نے اسے ہدایت کی کہ ہمسایہ ملاح سے موت کا سمندر پار کرانے کو کہہ دو۔جل جیمس نے ملاح سے ملاقات کی اور اس کی رہنمائی میں اس نے بہت سے مراحل کے بعد موت کا سمندر عبور کر کے اتنا پشتم تک رسائی حاصل کی۔اتنا پشتم نے اسے طوفان کی تفصیلات بتائیں اور کہا کہ اسے ایمان داری کی بنا پر ابدی زندگی ملی ہے۔آخر میں اتنا پشتم اور اس کی بیوی نے اس کی بیماری کا علاج کیا۔اس کے بعد ملاح نے جل جیمس کو پانی میں نہلوایا تاکہ وہ واپس چلیں۔پانی میں جل جیمس کو خوش قسمتی

سے ایک پودا ملا جس کا پتہ اسے اتنا پشتم نے دیا تھا۔ اس پودے کی عجیب وغریب خصوصیت یہ تھی کہ اس کو کھا کر جوانی لوٹ آتی تھی اور کھانے والا ابدی زندگی پا تا تھا۔ جل جیمس نے اس جڑی کو اپنے ساتھ رکھا تا کہ ارک پہنچ کر وہ اسے کھائے، لیکن راستہ ہی میں اس سے ایک سانپ نے یہ جڑی چھین لی۔ مایوس ہو کر وہ ارک لوٹا اور شہر کی دیواروں کی دوبارہ تعمیر کا کام شروع کیا۔ آخر میں وہ Necromancy کے طریقے سے اپنے مردہ دوست ابانی کی روح سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور ابانی اسے عالم آخرت میں نیکوں اور بدوں پر گزرنے والے احوال سے آگاہ کرتا ہے ﴿۳﴾۔



﴿۳﴾ Encyclopaedia of Religion and Ethics art. Hero and Hero-gods (Babylonian). By T.G.Pinches, New York 1913 vo.6 p.643

Encyclopaedia of Religion and Ethics art. Babylonians and Assyrians. By H.Zimmern, New York 1930 vol.2 pp.315-316

بنی اسرائیل
اور عمر جاوداں کا تصور

بنی اسرائیل میں بھی ابدی زندگی کا تصور موجود ہے۔ چنانچہ یہودیوں میں مشہور ہے کہ ایلیاہ نبی قیامت تک زندہ ہیں۔ ایلیاہ نبی خدا کے برگزیدہ رسول ہیں جنہیں اہل کتاب ایلیاہ نبی اور مسلمان حضرت الیاس کہتے ہیں۔ تورات کے مطابق جب بنی اسرائیل کا بادشاہ اخاب بن عمری ہوا ہے تو اس نے صیدانیوں کے بادشاہ اتبعل کی بیٹی ایزبل سے شادی کی اور جا کر بعل کی پرستش کرنے اور اسے سجدہ کرنے لگا۔ اس کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے جلعاد کے باشندہ ایلیاتشبی کو مبعوث کیا ﴿۱﴾۔ انھوں نے بادشاہ اخاب کی بعل پرستی کے خلاف تبلیغ کی اور اخاب سے کہا کہ اسرائیل کے خدا کی قسم جب تک میں نہ کہوں اس وقت تک نہ تو شبنم گرے گی اور نہ بارش ہوگی۔ تین سال تک بنی اسرائیل خشک سالی کا شکار رہے۔ تیسرے سال ایلیاہ نبی کو خدا کی طرف سے حکم ملا کہ جا کر بادشاہ اخاب سے کہو کہ بعل پرستی کو چھوڑ کر بنی اسرائیل، بعل کے ساڑھے چار سو اور یسیرت مندر کے چار سو کاہنوں کو کوہ کرمل پر جمع کر دے۔

خدا کے حکم کے مطابق جب ایلیاہ نبی بادشاہ سے ملے تو اس نے بنی اسرائیل کی مصیبت کا الزام ایلیاہ نبی پر رکھ دیا۔ لیکن ایلیاہ نبی نے اس سے کہا کہ بنی اسرائیل کی مصیبت کا سبب خود بادشاہ ہے۔ اس مکالمے کے بعد ایلیاہ نبی نے بادشاہ سے کہا کہ بنی اسرائیل کے لوگوں، بعل کے ساڑھے چار سو کاہنوں اور یسیرت کے چار سو کاہنوں کو کوہ کرمل پر اکھٹا کر دے۔ جب

﴿۱﴾ تورات، کتاب سلاطین، باب ۱۶ : ۲۹-۳۴، باب ۱۷ : ۱

بادشاہ نے ان سب کو کوہ کرمل پر اکھٹا کر دیا تو ایلیاہ نبی نے ان سب کو مخاطب کر کے کہا:

تم کب تک دو خیالوں میں ڈانواڈول رہو گے، اگر خداوند ہی خدا ہے تو اس کے پیرو ہو جاؤ، اگر بعل ہے تو اس کی پیروی کرو ﴿۲﴾۔

قرآن حکیم میں حضرت الیاس کے ان الفاظ کو دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے:

اذ قالَ لِقومهٖ الاتتقون	جب کہ انھوں (الیاس) نے اپنی قوم سے فرمایا:
اتدعُونَ بَعلاًوتَذَرُونَ	کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے، کیا تم بعل کو پوجتے ہو اور
اَحسَنَ الخَالِقِينَ الله	اس کو چھوڑ بیٹھے ہو، جو سب سے بڑھ کر بنانے والا ہے؟
رَبَّكُم وَرَبَّ اٰبآ ئِكُمُ الاوَّلِين.	(وہ) معبود برحق بھی ہے تمہارا بھی رب ہے اور
(سورۃ الصّٰفّٰت: ۱۲۴-۱۲۷)	تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی رب ہے

ایلیاہ نبی بنی اسرائیل کے بادشاہ اخاب بن عمری کے زمانے میں مبعوث ہوئے۔ اخاب نے بائیس برس بنی اسرائیل پر حکومت کی، ان کا زمانہ قریباً ۸۷۵-۸۵۳ق.م مانا جاتا ہے ﴿۳﴾۔ اخاب اور ایلیاہ نبی کے درمیان مکالمہ اور بعل پرستی کے خلاف ان کی دعوت توحید کا حال بنی اسرائیل کی تاریخ میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے ﴿۴﴾

ایلیاہ نبی کے بارے میں جو روایات اور معتقدات بنی اسرائیل میں عام ہیں، وہ کافی حد تک ان روایات و حکایات سے ملتی جلتی ہیں، جو ہمارے یہاں حضرت خضرؑ کے بارے میں مشہور ہیں۔ بنی اسرائیل کی ایک روایت کے مطابق ایلیاہ نبی انسانی صورت میں ایک فرشتہ

﴿۲﴾ تورات، کتاب سلاطین، اباب ۱۷: ۲۱

﴿۳﴾ Encyclopaedia Biblica - A dictionary of Bible, edited by T.K Cheyne and J.Sutherland Black London1914 p.1270

﴿۴﴾ Flavius Josephus, Antiquities of Jews (Translated by William Whiston) London, Book 8 chapter13 pp.243-247

ہیں، جن کے نہ والدین ہیں اور نہ ہی اولاد ﴿۵﴾۔ ان کی حیثیت ایک رہنما فرشتہ کی ہے، نیک لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور مصیبت کے وقت ان کی مدد کر کے انہیں مصیبت سے نجات دلاتے ہیں ﴿۶﴾۔ ایلیاہ نبی ضرورت پڑنے پر دنیا کے کسی بھی مقام پر ظاہر ہو جاتے ہیں، اس لیے انہیں جنت کا پرندہ کہا جاتا ہے ﴿۷﴾

بنی اسرائیل کے بیان کے مطابق ایلیاہ نبی کوئی بھی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اکثر وہ عرب یا بدوی عرب کے بھیس میں ملتے ہیں ﴿۸﴾۔ ان کی موجودگی کو بے عقل جانور تک محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ جب کتے کہیں خوشی سے بھونکتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایلیاہ کہیں نزدیک ہی موجود ہیں ﴿۹﴾

ایلیاہ نبی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ جنت کے چوراہے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور نیک لوگوں کو ان کے صحیح مقام تک پہنچا دیتے ہیں، سبت کے شروع ہوتے ہی گنہگاروں کو جہنم سے نکال باہر لاتے ہیں اور سبت کا دن ختم ہوتے ہی انہیں واپس جہنم میں لا کر ڈال دیتے ہیں۔ نیز گنہگار جب جہنم میں اپنے غلط کاموں کا خمیازہ بھگت چکتے ہیں، تو انہیں نکال کر ہمیشہ کے لیے جنت میں پہنچا دیتے ہیں ﴿۱۰﴾

ایلیاہ نبی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ خواب میں آکر لوگوں کو صحیح مشورہ دیتے ہیں، انہوں نے ایک مرتبہ ایک رومی افسر کو خواب میں آکر نصیحت کی کہ وہ اپنی جائیداد فضول خرچی

﴿۵﴾ The Jewish Encyclopaedia Art. "Elijah" New York-London 1916 vol.V p.122

﴿۶﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.V p.123

﴿۷﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.V p.123

﴿۸﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.V p.123

﴿۹﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.V p.123

﴿۱۰﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.V p.123

میں نہ اڑائیں ﴿۱۱﴾۔ اسی طرح ایک دفعہ ایک آدمی سبت کے شروع ہونے سے پہلے شہر میں پہنچا۔ اس نے سوچا کہ سبت کی وجہ سے وہ اپنا پیسہ کسی آدمی کے پاس ایک روز کے لیے بطور امانت رکھ دے، لیکن اسے کوئی نہ ملا۔ آخر کار وہ ایک معبد میں پہنچا، وہاں اس نے ایک شخص کو عبادت کرتے ہوئے دیکھا۔ اس نے عبادت گزار کے پاس اپنا پیسہ بطور امانت رکھ دیا۔ جب سبت ختم ہوا تو وہ اپنا پیسہ لینے کے لیے اس کے پاس پہنچا لیکن وہ مُکر گیا۔ غریب نو وارد جب مایوس ہو کر سو گیا تو ایلیاہ نے اسے خواب میں آ کر بتایا کہ بد دیانت شخص کی بیوی سے کس طرح پیسہ وصول کیا جائے۔ جب وہ شخص بیدار ہوا تو اس نے ایلیاہ کی نصیحت پر عمل کر کے نہ صرف اپنا پیسہ وصول کیا بلکہ اس مکار کو بے نقاب بھی کیا ﴿۱۲﴾

ایلیاہ نبی بحالت بیداری بھی لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں تاہم اگر کوئی شخص ان کے معیار پر پورا نہیں اترتا تو وہ اس کے ساتھ ملاقات نہیں کرتے۔ دو نیک بھائیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک بھائی اپنے نوکروں کو کھانے کی پہلی گردش میں شریک کرتا تھا۔ لیکن دوسری گردش میں شریک نہیں ہونے دیتا تھا، جبکہ دوسرا بھائی کھانے کی تمام گردشوں میں نوکروں کو شریک کرتا تھا۔ ایلیاہ نے پہلے بھائی کو شرف ملاقات سے محروم رکھا جبکہ دوسرے بھائی سے اکثر ملاقات کرتے رہے۔ اسی طرح ایک شخص پہلے خود کھانا کھاتا تھا۔ بعد میں اپنے مہمانوں کی مہمان داری کرتا تھا، جبکہ دوسرا شخص مہمانوں کو کھانا کھلانے کے بعد خود کھانا کھاتا۔ ایلیاہ نے پہلے شخص سے ملاقات نہیں کی، لیکن دوسرے شخص سے اکثر ملنے آیا کرتے تھے ﴿۱۳﴾

بنی اسرائیل کے بقول ایلیاہ غریب لوگوں کی حاجات پوری کرتے ہیں اور غیبی مددگار بن کر نیک لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک غریب نیک شخص کے پاس آئے اور اس

﴿۱۱﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.V p.123

﴿۱۲﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.V p.123

﴿۱۳﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.V p.124

سے کہا کہ تمہاری زندگی میں خوش حالی کے چھ سال ہیں، تم یہ چھ سال ابھی لینا چاہتے ہو یا زندگی کے آخری برسوں میں خوش حالی چاہتے ہو؟ اس نے پہلے تو ایلیاہ کو کاہن سمجھ کر جواب نہیں دیا لیکن جب ایلیاہ تیسری مرتبہ اس کے پاس آئے تو اس نے اپنی بیوی سے مشورہ کر کے جواب دیا کہ ہم کو خوش حالی کے چھ سال ابھی چاہئیں۔ انہوں نے منہ سے یہ الفاظ نکالے ہی تھے کہ ان کے بچوں نے ایک خزانہ پایا، اس شخص نے خزانے کو خیرات کے کاموں میں صرف کیا۔ جب چھ سال ختم ہوئے تو ایلیاہ آئے اور کہا کہ خوش حالی کے سال ختم ہو گئے۔ اس شخص کی بیوی نے جواب دیا کہ اگر آپ کو ایسے لوگ معلوم ہیں جو ہم سے بہتر طور پر اسے خرچ کر سکتے ہیں، تو ہم سے لے کر انھیں دے دیجئے، چونکہ خدا کو معلوم تھا کہ ان لوگوں نے خوش حالی کا بہترین استعمال کیا ہے، اس لیے ان کی خوش حالی ان کے پاس رہنے دی ﴿۱۴﴾

بنی اسرائیل کی روایات کے مطابق ایک دفعہ ایلیاہ نبی سے یشوع بن لیوی ﴿۱۵﴾ نے درخواست کی کہ مجھے آپ اپنے ساتھ سفر پر لے چلیں۔ ایلیاہ نے جواب دیا کہ ہم آپ کو اس شرط پر اپنے ساتھ لے چلیں گے کہ جو کچھ آپ دیکھیں گے، اس پر آپ کوئی اعتراض نہیں کریں گے، کیونکہ میری حرکات آپ کو عجیب لگیں گی۔ یشوع بن لیوی نے شرط مان لی اور دونوں سفر پر روانہ ہو گئے۔ شام کو وہ ایک جگہ پہنچے اور ایک غریب شخص جس کے پاس صرف ایک گائے تھی، کے مہمان ہوئے۔ غریب شخص اور اس کی بیوی نے ناداری کے باوجود ان کی خوب مہمان داری کی، صبح کو جب دونوں وہاں سے روانہ ہونے لگے تو یشوع نے ایلیاہ نبی کو دعا کرتے ہوئے سنا "اے خدا اس کی گائے ہلاک کر دے"۔ ابھی گھر سے نکلے بھی نہ تھے کہ غریب کی گائے مر گئی۔ یشوع سے رہا نہ گیا اور کہا "کیا اس غریب کی مہمان داری کا صلہ یہی

﴿۱۴﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.5 pp.123-124

﴿۱۵﴾ The Jewish Encyclopaedia "Joshu B.Levi vol.8

ہے''؟ ایلیاہ نبی نے کہا کہ تم نے وعدہ نہیں نبھایا۔ دوسرے شام کو ایک امیر کے ہاں پہنچے، اس نے نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ رات بھر دونوں بھوکے پیاسے رہے۔ صبح کو جب نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ امیر کے گھر میں ایک دیوار گر پڑی ہے۔ ایلیاہ نے دعا کی تو خدا کے حکم سے دیوار خود بخود کھڑی ہوئی۔ یشوع نے چاہا کہ اعتراض کرے لیکن اسے شرط یاد آئی، اس لیے خاموش رہا۔ شام کو ایک شہر میں ایک یہودی عبادت خانہ میں پہنچے جو سونے اور چاندی سے سجا تھا لیکن عبادت خانہ کے متولی مسافروں کا کوئی خیال نہ رکھتے تھے بلکہ ان سے روٹی اور دوسری چیزیں چھین لیتے تھے۔ صبح جب دونوں وہاں سے روانہ ہوئے تو ایلیاہ نبی نے دعا کی کہ اے خدا ان سب کو سردار بنا دے۔ یشوع بڑی مشکل سے ضبط کر سکا۔ پھر وہ ایک ایسے شہر میں پہنچے جہاں کے لوگ مہمان نواز تھے، اور نو واردوں کی میزبانی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ وہاں سے نکلتے وقت یشوع نے سنا کہ ایلیاہ دعا کر رہے ہیں، اے خدا ان میں سے صرف ایک کو سردار بنا دے۔ یشوع سے رہا نہ گیا اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اعتراض کرنے کی صورت میں اسے علیحدہ ہونا پڑے گا، اس نے سوال پوچھا اور ان تمام واقعات کے بارے میں استفسار کیا۔ ایلیاہ نبی نے جواب دیا کہ مجھ کو معلوم تھا کہ جس غریب نے ہماری مہمان داری کی ہے، اس کی بیوی کی موت قریب ہے، اس لیے میں نے خدا سے دعا کی کہ اس کی بیوی کے بدلے اس کی گائے کی جان لے۔ جس امیر نے ہماری خاطر تواضع نہیں کی، اس کے صحن میں گری دیوار کے نیچے خزانہ چھپا تھا، اگر وہ خود تعمیر کرتا تو خزانہ پاتا۔ میں نے اس کی دیوار اس لیے تعمیر کرائی تاکہ اس نالائق کے ہاتھ خزانہ نہ لگے۔ عبادت گاہ کے متولیوں کے لیے میں نے دعا کی کہ خدا ان سب کو سردار بنا دے، تو یہ کوئی دعائے خیر نہ تھی بلکہ بد دعا تھی کیونکہ جس جگہ سب کے سب سردار ہوں گے وہ جگہ زیادہ دیر آباد نہیں رہے گی۔ نیز جن لوگوں کے لیے میں نے دعا کی کہ خدا ان میں سے ایک کو سردار بنا دے، ان کے حق میں دعائے خیر تھی

کیونکہ وہاں لوگ امن وچین کی زندگی گزارتے ہیں جہاں صرف ایک سردار ہوتا ہے ﴿۱۶﴾

ایلیاہ نبی کے بارے میں یہودیوں میں مشہور ہے کہ یہودی خاندان میں جب بچے کے ختنہ کی تقریب ہوتی ہے تو اس میں ایلیاہ نبی ضرور موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہودیوں میں رسم ہے کہ ختنہ کے وقت بچہ کے ایک طرف ایک خالی کرسی رکھ دی جاتی ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ ایلیاہ نبی آ کر اس کرسی پر تشریف رکھیں گے۔ ختنہ کیے جانے والے بچہ کو جب سلام کیا جاتا ہے تو اس وقت ایلیاہ نبی کے نام دعوت کا بیان بھی ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شمالی سلطنت میں ایزبیل کے اثر سے جب ختنہ کی رسم بند ہوئی تو ایلیاہ نبی نے ایک غار میں گوشہ نشینی اختیار کی اور خدا سے دعا کی کہ اسرائیل کے لوگوں نے خدا کے اجتماع کو چھوڑ دیا۔ اس وقت سے خدا نے حکم دیا کہ ختنہ کی کوئی تقریب ہو ایلیاہ نبی کی شرکت ضروری ہے ﴿۱۷﴾

یہودیوں کے ہاں ایلیاہ نبی کو نومولود بچوں کا سرپرست بھی مانا جاتا ہے، اس لیے یہودیوں کے اس کمرے میں جہاں عورت بچہ کو جنم دیتی ہے، بھوت پریت بھگانے کے لیے ایلیاہ نبی کا استعمال ہوتا ہے ﴿۱۸﴾

مصر سے آزادی پانے کی خوشی میں یہودیوں کے یہاں عید فصح منائی جاتی ہے۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ایلیاہ نبی اس دن ہر یہودی گھر میں تشریف لاتے ہیں۔ چنانچہ "جام ایلیاہ" کے نام سے مشروب کا ایک زائد پیالہ کسی اجنبی کے لیے ایک طرف اٹھا کر رکھ دیا جاتا ہے کیونکہ ایلیاہ نبی کسی انجان کی شکل میں کسی بھی وقت آسکتے ہیں ﴿۱۹﴾

ایلیاہ نبی کے بارے میں یہودیوں میں مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد سے پہلے

﴿۱۶﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.V p.125

﴿۱۷﴾ Encyclopaedia of Religion and Ethics vol.7 p.694 The Jewish Encyclopaedia vol.V p.128

﴿۱۸﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.V pp.128-129

﴿۱۹﴾ M.Friedlander,The Jewish Religion,London 1937 p.380

نمودار ہوں گے ﴿۲۰﴾

بنی اسرائیل کے صوفیا اور علما میں سے متعدد لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ایلیاہ نبی سے انہوں نے رہنمائی حاصل کی ہے اور بعض صوفیا نے ان سے رہنمائی کے علاوہ کتابیں تک اخذ کی ہیں، بعض لوگوں نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ ایلیاہ نبی کے ساتھ ان کی دوستی ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے بیان کے مطابق ایلیاہ نبی ان کی درسگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔ بہت سے لوگوں کو انہوں نے خواب میں آ کر اطلاع دی کہ ان کا لڑکا پیدا ہوگا ﴿۲۱﴾

یہودیوں کا عام خیال ہے کہ ایلیاہ نبی جنگلوں اور صحراؤں میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں، بعض لوگوں کے بقول یہودیوں میں Wandering Jew کا تصور اسی خیال پر مبنی ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ یروشلم کے اس نعلین ساز کی خیالی صورت ہے، جس نے اس وقت حضرت عیسیٰ پر طعن کیا تھا، جب وہ صلیب کی طرف لے جائے جا رہے تھے۔ اس پر حضرت عیسیٰ نے کہا تھا کہ تم اسی طرح رہو جب تک میں واپس آ جاؤں ﴿۲۲﴾

جیسا کہ اوپر کہا گیا کہ دوامی زندگی یا حیات جاوداں کا تصور سب سے پہلے اہل بابل کے یہاں ملتا ہے۔ جل جیمس کی مہم میں حضرت نوح کے زمانے میں آئے طوفان کا ذکر موجود ہے۔ جل جیمس کی منظوم داستان میں کہا گیا ہے کہ اس علاقہ میں برائیاں پھیل گئی تھیں، اس لیے دیوتا انسان سے ناراض ہوئے۔ انہوں نے انسانوں کی آبادی کو تباہ کر دینے کا قصد کیا مگر نزول عذاب سے پہلے اتناپشتم کو ایک کشتی بنانے کا حکم دیا۔ جب اس نے کشتی بنانے کا کام مکمل کیا تو دیوتاؤں نے حکم دیا کہ وہ اس میں سونے چاندی، جانوروں، رشتہ داروں اور عزیزوں کو سوار

﴿۲۰﴾ The Jewish Religion p.229

﴿۲۱﴾ The Jewish Encyclopaedia vol.V pp.125-126
Encyclopaedia of Religion and Ethics vol.7 p.694

﴿۲۲﴾ The Jewish Encyclopaedia,see "Wandering Jew" vol.12 p.462

کردے۔ بعد ازاں ایک طوفان آیا اور خوفناک گرج اور بجلی کے ساتھ زبردست بارش ہونے لگی۔ چھ دن اور چھ رات اسی طرح بارش ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ پورا علاقہ زیر آب آ گیا۔ اتناپشتم کی کشتی بہتی ہوئی جبل نصیر (دریائے دجلہ اور موصل کے مشرق میں زاب نامی ندی کے قریب واقع ہے) سے جا کر لگی۔ ساتویں دن جب بارش کا سلسلہ تھم گیا تو اتناپشتم نے ایک فاختہ اڑائی جو چکر کاٹ کر واپس کشتی میں آ گئی جس سے اندازہ ہوا کہ پانی ابھی نہیں اترا ہے، اس کے بعد کوے کو اُڑایا گیا، وہ واپس نہیں آیا ﴿۲۳﴾۔ جل جیمس کی منظوم داستان اور دوسرے کتبات میں بتایا گیا ہے کہ اتناپشتم اور اس کی بیوی کو حیات ابدی عطا کی گئی۔

طوفان کے بارے میں یہ تفصیلات مسلمانوں کی روایات سے بہت حد تک ملتی جلتی ہیں۔ اگرچہ دونوں میں بعض اختلافات بھی موجود ہیں۔

بابلی، اسرائیلی، یونانی اور مسلم روایات میں جو اختلافات ہیں، وہ یہ ہیں:

(ا) جل جیمس، افریدون بن اثغیان، ایلیا، بلیا بن ملکان، سکندر، انڈریس، ذوالقرنین، موسیٰ، خضر کے نام ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

(ب) افریدون بن اثغیان اور اسکندر کا لقب ذوالقرنین آیا ہے۔ جل جیمس اس لقب سے مشہور نہیں ہے۔ بلیا بن ملکان کا لقب خضر ہے، انڈریس کا لقب معلوم نہیں ہے۔

(ت) جل جیمس کی منظوم داستان میں حیات ابدی کا سبب یا تو خدا کی اطاعت گزاری کہا گیا ہے، جیسا کہ اتناپشتم نے خود کہا ہے یا ایک جڑی جس کا پتہ اتناپشتم نے اسے بتایا تھا۔

﴿۲۳﴾ موریس بوکائیے۔ بائبل قرآن اور سائنس، اردو ترجمہ از ثناء اللہ صدیقی، دہلی اشاعت اسلام سوم ۱۹۸۹ء۔ حواشی صفحات ۲۸۵۔۲۸۷ میں فاضل مترجم نے سر لیونارڈ وولے کی کتاب Excavations at Ur سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ فاضل مترجم کی یہ فاضلانہ کاوش لائق تحسین ہے۔ اردو میں ابھی تک حفریاتی شہادتوں سے استشہاد کرنے کا ذوق نایاب نہ سہی کمیاب ضرور ہے۔ موجودہ دور میں اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ مذہب کی ترجمانی میں جملہ دستیاب شواہد کو کام میں لا کر بات کو باوزن بنایا جائے۔

یہودیوں کے یہاں بھی ایلیاہ نبی کو اسی وجہ سے حیات ابدی ملی ہے۔ یونانیوں اور مسلمانوں کی روایات میں کہا گیا ہے کہ ابدی حیات کا باعث چشمۂ حیوان کا پانی تھا۔ البتہ ابو حاتم نے حیات ابدی کا سبب حضرت آدم کے نعش کی تدفین بتایا ہے۔

(ث) جل جیمس کی منظوم داستان میں بتایا گیا ہے کہ اس نے اپنے مردہ دوست کو زندہ کرنے کے لیے سفر شروع کیا تھا جب کہ یونانیوں اور مسلمانوں کی روایات کے مطابق ذوالقرنین نے خود اپنی زندگی کے دوام کے لیے آب حیات کی تلاش شروع کی تھی۔

چاروں قوموں کی روایات میں مشترک نکات یہ ہیں:

(۱) حیات جاوداں کا تصور چاروں قوموں کے یہاں موجود ہے۔

(۲) یہودیوں کے سوا باقی تین قوموں کی روایات میں آیا ہے کہ ابدی زندگی کی تلاش کرنے والا بادشاہ تھا اور اسے دشوار گزار مراحل سے گزرنا پڑا تھا۔

(۳) تینوں قوموں (بابلیوں، یونانیوں اور مسلمانوں) کی روایات میں کہا گیا ہے کہ ابدی زندگی کی تلاش کرنے والا بادشاہ ناکام ہو کر لوٹا۔

(۴) بابلیوں، یونانیوں اور مسلمانوں کی روایات میں سفر سے ناکام واپسی کے بعد دیواروں کی تعمیر کا ذکر آتا ہے۔ جل جیمس واپس آ کر ارک کی دیواروں کی تعمیر کا کام مکمل کر دیا تھا، ذوالقرنین یا سکندر کے بارے میں سد یاجوج و ماجوج یا سد سکندری کا ذکر ملتا ہے۔

(۵) جل جیمس نے اتنا پشتم تک پہنچنے کے لیے ایک ملاح کی رہنمائی حاصل کی تھی۔ ذوالقرنین کے ہمراہ حضرت خضر اور سکندر کے ہمراہ اس کا باورچی تھا۔ یہ بات تینوں میں مشترک ہے کہ بادشاہ تنہا نہیں تھا۔

(٦) یہودیوں کو چھوڑ کر باقی تینوں قوموں کی روایات میں پانی کا ذکر آتا ہے۔ جل جیمس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ملاح نے بادشاہ کو نہانے کی ترغیب دی اور وہیں اس کو وہ

جڑی مل گئی۔ یونانیوں میں انڈریس اور مسلمانوں میں حضرت خضر کے نہانے کا ذکر ملتا ہے۔

(۷) جل جیمس کی منظوم داستان میں اتنا پشتم کہتے ہیں کہ انہیں خدا کی اطاعت گزاری کی بنا پر حیات ابدی نصیب ہوئی ہے۔ مسلمانوں کی ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت خضر کو ابدی زندگی اس بنا پر ملی کہ انہوں نے حضرت آدم کے جسد خاکی کو دفن کرنے کا فرض انجام دے کر رضائے الٰہی پائی۔

(۸) جل جیمس کی منظوم داستان میں تاریک پہاڑ کا ذکر موجود ہے۔ ذوالقرنین اور سکندر کو ظلمات میں دکھایا گیا ہے۔ یعنی یونانی اور مسلم روایات میں ظلمات کا ذکر آیا ہے۔

(۹) جل جیمس کی داستان میں سیتو نام کی دیوی کو تخت سمندر پر براجمان بتایا گیا ہے۔ مسلمانوں کی روایات میں جزیرۃ البحر کا ذکر آتا ہے۔

(۱۰) جل جیمس کی داستان میں اتنا پشتم دریاؤں کے دہانے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی روایات میں ''مجمع البحرین'' کا بیان ہے۔

(۱۱) مسلمانوں کی روایات میں بتایا گیا ہے کہ اس صالح بندہ کا نام خضرؑ ہے، جل جیمس کی داستان میں اتنا پشتم کا لقب خسترا، زیوتھراس (Khasisatra, Xisouthro دانائے کل) ہے۔ اہل بابل کی روایات میں کہا گیا ہے کہ اتنا پشتم جل جیمس کے اجداد میں سے ایک بزرگ تھے۔ مسلمانوں کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت خضر حضرت نوحؑ کی نسل سے تھے، اور دونوں کے درمیان چند پشتوں کا فاصلہ ہے۔

(۱۲) یونانی اور مسلم روایات میں آیا ہے کہ مچھلی پانی کے اثر سے زندہ ہو گئی۔

(۱۳) یہودیوں اور مسلمانوں کی روایات میں کئی باتیں مشترک ہیں مثلاً مسلم مورخین کے ایک قول میں آیا ہے کہ خضر کا نام ایلیاہ تھا لیکن چونکہ مسلمانوں میں حضرت الیاس کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ وہ بھی زندہ ہیں اس لیے حضرت خضر کے اصلی نام بلیا کو ایلیاہ

بنانے کی ضرورت نہیں ،جس روایت میں خضر کا نام ایلیاہ بتایا گیا ہے وہ اس لیے بھی قابل اعتبار نہیں کہ حضرت خضر کی ملاقات حضرت موسیٰ سے ہوئی تھی ،جبکہ ایلیاہ نبی حضرت موسیٰ کے کئی سو سال بعد مبعوث ہوئے ہیں۔ البتہ یہودیوں میں حضرت الیاس کے بارے میں جو روایات ملتی ہیں، وہ صوفیا میں بھی مشہور ہیں۔

فریڈ لینڈر (Fried lander) نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے خضر کا تصور یہودیوں سے لیا ہے۔لیکن مسلمانوں کی روایات یہودیوں کے مقابلہ میں اہل بابل کی روایات سے زیادہ مماثلت رکھتی ہیں۔عراق میں کھدائی کے دوران کلدانی اور سیریائی کتبات سے بھی مسلمانوں کی روایات کی تائید ہوتی ہے بلکہ کلدانی ،یونانی اور مسلم روایات میں کئی باتیں مشترک ہیں۔ ہاں چونکہ مسلمان حضرت الیاس کے زندہ ہونے کے قائل ہیں اس لیے حضرت الیاس کے متعلق متعدد روایات اور ان کی ابدی زندگی کا تصور دونوں قوموں میں مشترک ہے۔علاوہ ازیں دونوں قوموں میں مشہور ہے کہ حضرت الیاس خشکی ،صحرا اور بیاباں میں لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں، جبکہ حضرت خضر کے بارے میں اکثر مسلمانوں کا خیال ہے کہ وہ سمندری سفر کرنے والوں کی رہبری کرتے ہیں۔

بابل کے بادشاہ بخت نصر ثانی (نبوکدنصر Nebuchad Nessar — ۶۰۵۔۵۶۲ ق.م) نے ۵۹۸ ق.م میں مصر کے یہودیوں کو گرفتار کیا ،اورانہیں بابل لے گیا۔ ۵۸۷ ق.م میں یروشلم کے گورنر نے بغاوت کی تو بخت نصر نے دوبارہ حملہ کیا۔بیت المقدس کو فتح کیا۔ ہیکل سلیمانی میں آگ لگا دی ،تورات کو نذر آتش کیا اور یہودیوں کو گرفتار کر کے بابل جلاوطن کر دیا۔ جب ایران کے بادشاہ سائرس (۵۶۰۔۵۲۹) جسے کورس ،خورش ،گوروش اور کیخسرو کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، نے بابل پر قبضہ کر کے یہودیوں کو واپس لوٹنے کی اجازت دی تو وہ اہل بابل کی غلامی سے آزاد ہو کر دوبارہ فلسطین گئے ،اس کے بعد سکندر کے زمانے میں

یونانیوں سے ان کا میل جول بڑھا۔ اہل بابل کے تصورات سے یہودی متاثر ہوئے اور بابلیوں اور یہودیوں کے تصورات سے یونانی بھی واقف ہوئے۔ ایران بھی بابل، بنی اسرائیل اور یونان سے مربوط رہا ہے، اس لیے اہل ایران بھی ان کے خیالات سے آگاہ ہوئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ چاروں قوموں کی روایات میں جزوی اختلافات ہیں۔ مرور زمانہ سے خود ایک ہی قوم کی تاریخی وتہذیبی روایات میں تغیر وتبدل ہوتا رہا ہے۔ پھر ایک قوم کی روایات جب دوسری قوم میں راہ پاتی ہیں تو خود اس قوم کے مزاج وماحول اور زبان وتہذیب میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ہو جاتی ہے، اگر اسے مدنظر رکھا جائے تو ابدی زندگی کے تصور کے متعلق چاروں قوموں کی روایات میں اختلافات چنداں اہمیت کے حامل نہیں۔

فردوسی اور نظامی گنجوی کے بیان سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ یہ محض شاعرانہ خیال آفرینی ہے۔ حالانکہ دوسری قوموں کی روایات کو دیکھتے ہوئے فردوسی اور نظامی نے کوئی خلاف عقل بات بھی نہیں کہی ہے۔ نظامی نے ظلمات کو قطب شمالی کے متصل بتایا ہے۔ انھوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہاں دن میں ہلکی روشنی تھی اور رات بالکل تاریک تھی۔ قطب شمالی کے بارے میں عام طور پر معلوم ہے کہ وہاں سال کے چھ مہینوں میں سورج کی روشنی برائے نام ہوتی ہے اور دن میں بھی تقریباً اندھیرا رہتا ہے، نظامی گنجوی شاعر ہیں لیکن محدثین اور مورخین بھی کہتے ہیں کہ ذوالقرنین نے حضرت خضر کی رہنمائی میں قطب شمالی کا قصد کیا تھا، اس لیے حیات خضر کے تصور کو صرف اس لیے رد نہیں کیا جا سکتا کہ اسے فردوسی اور نظامی نے بیان کیا ہے، جن کا گناہ صرف یہ تھا کہ دونوں قادر الکلام شاعر تھے۔



قرآن حکیم اور حدیث رسولؐ

حضرت خضر اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا واقعہ

قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"...اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں، ہٹنے کا نہیں خواہ برسوں چلتا رہوں، جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے تو اس نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا راستہ بنایا، جب آگے چلے تو (موسیٰ نے) اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارے لیے کھانا لاؤ۔ اس سفر سے ہم کو بہت تھکان ہوگئی ہے۔ (اُس نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا اور مجھے آپ سے اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا راستہ لیا (موسیٰ نے) کہا یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے، تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے۔ (وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنی رحمت سے (یعنی نبوت یا نعمت ولایت) نوازا تھا اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔ موسیٰ نے ان سے (جن کا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے، آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں۔ (خضر نے) کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکو گے اور جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں، اس پر صبر بھی کیونکر کر سکتے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پایئے گا، اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا۔ (خضر نے) کہا اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں تو دونوں چل پڑے، یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) کشتی کو پھاڑ ڈالا (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے اس کو اس لیے پھاڑا ہے کہ سواروں کو غرق کر دیں؟ یہ تو آپ نے بڑی عجیب بات کی۔ (خضر نے) کہا کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔ (موسیٰ نے) کہا

جو بھول مجھ سے ہوئی اس پر مواخذہ نہ کیجیے اور میرے معاملہ میں مجھ پر مشکل نہ ڈالیے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (خضر نے) اسے مار ڈالا (موسیٰ نے) کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ شخص کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا۔ آپ نے بُری بات کی۔ (خضر نے) کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔ انہوں نے کہا اگر میں اس کے بعد کوئی بات پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا۔ آپ میری طرف سے (عذر کے قبول کرنے میں) غائت کو پہنچ گئے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کیا۔ پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی۔ خضر نے اس کو سیدھا کر دیا۔ (موسیٰ نے) کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اس کا معاوضہ لیتے۔ (خضر نے) کہا کہ اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی ہے۔ جن باتوں پر تم صبر نہ کر سکے ان کا بھید بتائے دیتا ہوں۔ وہ کشتی غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت کر کے گزارہ کرتے تھے۔ ایک بادشاہ ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔ میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں تاکہ وہ اسے غصب نہ کرے۔ اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے۔ ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ بڑا ہو کر ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کی جگہ ان کو اور بچہ عطا فرمائے جو پاک طینتی اور محبت میں اس سے بہتر ہو اور وہ جو دیوار تھی وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو شہر میں رہتے تھے۔ اس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا اور ان کا باپ ایک نیک بخت تھا تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ پالیں۔ یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے، یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے۔ یہ ان باتوں کا راز ہے جن پر تم صبر نہ کر سکے۔" (الکہف: ۶۰ تا ۸۲)

حضرت خضر اور حضرت موسیٰ کی ملاقات کی تفصیلات صحیح احادیث میں منقول ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے سامنے کھڑے تقریر کر رہے تھے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا: "سب سے بڑا عالم میں ہوں"۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت موسیٰ کا جواب پسند نہ آیا کیونکہ انہوں نے علم کو خدا کی طرف منسوب نہیں کیا۔ اس لیے حضرت موسیٰ پر وحی بھیجی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے، وہ آپ سے زیادہ عالم ہے۔ حضرت موسیٰ نے عرض کی۔ میرے اللہ ان سے میری ملاقات کس طرح ہو سکتی ہے؟ حکم ہوا کہ اپنے ساتھ زنبیل میں ایک (تلی ہوئی) مچھلی رکھ لو (اور سفر کرو) جس جگہ وہ مچھلی گم ہو جائے، وہیں ان سے آپ کی ملاقات ہو گی۔ پس انہوں نے

اپنے خادم یوشع بن نون کو ساتھ لیا اور اپنے ساتھ زنبیل میں مچھلی لی (چلتے چلتے جب مجمع البحرین میں) ایک پتھر کے پاس پہنچے تو دونوں پتھر پر سر رکھ کر سو گئے۔ اتنے میں مچھلی زنبیل سے پھڑک کر نکلی اور دریا میں سرنگ بناتی چلی گئی، اس سے حضرت موسیٰ اور ان کے خادم کو بڑا تعجب ہوا (لیکن موسیٰ یہ نہ سمجھے کہ یہ وہی مچھلی ہے جو زنبیل میں تھی)۔ خیر (صبح اٹھ کر) پھر چل دیئے اور ایک شبانہ روز مزید سفر کیا (تیسرے روز) جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا ''ہم تو اس سفر سے بہت تھک گئے، اب کھانا لے آؤ'' حضرت موسیٰ کو اس وقت تک تھکان نہیں ہوئی تھی جب تک وہ مقرر مقام سے آگے نہیں بڑھے تھے، بلکہ اس وقت انھیں تھکان محسوس ہوئی جب وہ اس مقام سے آگے بڑھے۔ خادم نے کہا: کیا بتاؤں جب ہم اس پتھر کے پاس پہنچے تو میں مچھلی وہاں بھول گیا (اور آپ سے میں نے اس کا تذکرہ نہ کیا)۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا: ''اسی کی تو ہم کو تلاش تھی'' چنانچہ اُلٹے پاؤں قدموں کے نشان تلاش کرتے کرتے پتھر تک پہنچے کہ ایک شخص کو کپڑے میں سر لپیٹے ہوئے دیکھا۔ (یہ خضر تھے)۔ حضرت موسیٰ نے سلام کیا۔ حضرت خضر نے کہا ''آپ کے ملک میں سلام کا رواج کہاں ہے؟'' حضرت موسیٰ نے کہا ''میں موسیٰ ہوں''۔ حضرت خضر نے کہا ''کیا تم بنی اسرائیل والے موسیٰ ہو''؟ حضرت موسیٰ نے کہا ''جی ہاں'' کیا میں اس شرط پر آپ کے ہمراہ چل سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو علم آپ کو عطا فرمایا ہے اس کا کچھ حصہ مجھ کو بھی سکھلا دیں۔ حضرت خضر نے کہا ''آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص علم کا وہ حصہ مجھے عطا فرمایا ہے، جو آپ کو نہیں دیا اور آپ کو وہ علم عنایت کیا ہے جس سے میں ناواقف ہوں۔ حضرت موسیٰ نے کہا: ''ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ میں آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔''

دونوں دریا کے کنارے کنارے چل دیے کیوں کہ کشتی موجود نہ تھی۔ ادھر سے ایک کشتی کا گزر ہوا، انھوں نے کشتی والوں سے سوار ہونے کے متعلق بات چیت کی۔ حضرت خضر کو لوگوں نے پہچان لیا، اس لیے بغیر کرایہ لیے دونوں کو سوار کر لیا (جب دونوں کشتی میں سوار ہو گئے) تو انھوں نے دیکھا کہ ایک چڑا کشتی کے کنارے پر بیٹھا اور اس نے دریا سے دو ایک چونچ پانی پی لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت خضر نے حضرت موسیٰ سے کہا ''میرے اور تمہارے علم سے علم الٰہی

میں اتنی ہی کمی ہو سکتی ہے جتنی کہ چڑے کے ایک چونچ پانی سے سمندر میں ہوگئی''۔ (کشتی چل دی) تو خضرؑ نے کشتی کا ایک تختہ توڑ کر نکال دیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا'' ان لوگوں نے تو کرایہ کے بغیر ہم کو سوار کیا اور آپ ان کی کشتی کو توڑ کر سب لوگوں کو غرق کرنا چاہتے ہیں''۔ حضرت خضر نے کہا'' کیا میں نے آپ کو پہلے ہی نہیں بتایا تھا کہ میرے ساتھ صبر نہیں کر پائیں گے''۔ حضرت موسیٰ نے کہا: (بے شک) آپ میری لغزش پر گرفت نہ کریں اور میرے کام میں دشواری پیدا نہ کریں (یعنی میں بھول گیا تھا آپ معاف کریں)۔ یہ حضرت موسیٰ کی پہلی فروگذاشت تھی۔ (کشتی سے اتر کر) دونوں پھر چل دیئے۔ راہ میں ایک لڑکا ملا جو اور بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر نے اوپر سے اس کا سر پکڑ کر گردن اکھاڑ لی۔ حضرت موسیٰ نے کہا تم نے ایک بے قصور معصوم جان کو قتل کیا۔ حضرت خضر نے کہا'' کیا میں نے آپ سے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ سے میرے ساتھ نہیں رہا جائے گا''۔ خیر پھر دونوں چل پڑے، ایک گاؤں میں پہنچے۔ وہاں کے باشندوں سے کھانا مانگا، لیکن انھوں نے مہمانی کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت خضر نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے بالکل قریب تھی۔ انھوں نے اپنے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کر کے اس کو سیدھا کر دیا۔ حضرت موسیٰ بولے اگر آپ چاہتے تو اس کی ان لوگوں سے مزدوری لیتے (ان لوگوں نے ہم کو کھانا تک نہیں دیا اور آپ نے ان کی دیوار سیدھی کر دی)۔ حضرت خضر بولے کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم فرمائے۔ ہم دل سے خواہش مند تھے کہ موسیٰ صبر کے ساتھ رہتے اور ہر بات کی وجہ نہ پوچھتے تو ہم کو ان دونوں حضرات کا اور قصہ معلوم ہوتا ﴿۱﴾

﴿۱﴾ صحیح بخاری۔ کتاب العلم، باب ما یستحب للعالم اذا سئل ای الناس اعلم، الجزء الاول ص ص ۴۱۔۴۳، کتاب التفسیر، سورۃ الکہف، الجزء السادس ص ص ۱۱۰۔۱۱۷ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فضائل الخضر۔

دیوار سیدھی کرنے پر جب حضرت موسیٰ نے اعتراض کیا تو حضرت خضر نے کہا کہ بس اب مجھ میں اور تم میں جدائی کا وقت آ گیا۔ جن باتوں پر تم سے صبر نہ ہو سکا، ان کی وضاحت کیے دیتا ہوں۔ کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں محنت مزدوری کر کے کماتے تھے۔ میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار بنا دوں اور وہ جس طرف بڑھ رہے تھے، وہاں ایک بادشاہ ہے، جس کسی کی کشتی سالم پاتا ہے اسے چھین لیتا ہے۔ رہا لڑکے کا معاملہ، اس کے والدین ایماندار تھے۔ مجھے خوف ہوا کہ یہ سرکشی اور کفر کر کے ان کی اذیت کا موجب بنے گا۔ میں نے چاہا کہ ان دونوں کا پروردگار اس کے بدلے انھیں بہتر لڑکا عطا کرے گا جو دینداری اور محبت میں اس سے بہتر ہو۔ اور دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے خزانہ گڑا ہوا تھا۔ ان کا باپ صالح تھا۔ تمہارے رب نے چاہا کہ وہ دونوں بالغ ہوں اور اپنا خزانہ نکالیں۔ یہ اُن کے حال پر اللہ کی مہربانی تھی۔ اور میں نے اپنے اختیار سے کچھ نہیں کیا۔ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر تم صبر نہ کر سکے ﴿۲﴾

حضرت موسیٰؑ حضرت خضر کے ساتھ اٹھارہ روز رہے ﴿۳﴾۔ حضرت خضر اور حضرت موسیٰ کے واقعہ میں مجمع البحرین کا ذکر آیا ہے۔ قتادہ (المتوفی ۱۱۸ھ/۷۳۶ء) ﴿۴﴾ کا کہنا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں مشرق میں بحر فارس اور بحر روم ملتے ہیں ﴿۵﴾۔ امام ثعلبی کی بیان کردہ روایت میں مجمع البحرین افریقہ میں ہے ﴿۶﴾۔ بعض روایات میں ان دو سمندروں سے

﴿۲﴾ سورۃ الکہف : ۷۸-۸۲

﴿۳﴾ محمد خاوند شاہ۔ تاریخ روضۃ الصفا، بمبئی ۱۲۷۱ھ ۱:۹۲

﴿۴﴾ ابو الخطاب قتادہ بن دعامہ بن قتادہ السدوسی البصری ثقہ فاضل ہیں۔ آپ کا شمار بصرہ کے نامور تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ نابینا پیدا ہوئے تھے۔

﴿۵﴾ صحیح مسلم بشرح نووی، کتاب الفضائل، فضائل الخضر، حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۳۸۲

﴿۶﴾ صحیح مسلم بشرح نووی، کتاب الفضائل، فضائل الخضر

بحر اردن اور بحر قلزم یا بحر مغرب اور بحر زقاق مراد ہیں ﴿۷﴾۔ایک رائے کے مطابق مجمع البحرین وہ جگہ ہے جہاں بحر احمر میں خلیج عقبہ اور نہر سویز ملتے ہیں۔بعض اہل نظر کے بقول مجمع البحرین میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی ملاقات میں حکمت یہ ہے کہ یہ دونوں علم کے سمندر تھے۔ایک علم ظاہر یعنی علم شرع کا سب سے بڑا عالم تھا اور دوسرا علم باطن یا علم حقیقت واسرار ملکوت کا سمندر تھا﴿۸﴾ یہ آخری قول صوفیا کا ہے مگر قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی ﴿۹﴾

اس واقعہ میں جس قریہ کا ذکر آتا ہے یعنی جہاں کے لوگوں سے انہوں نے کھانا مانگا تھا، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک انطاکیہ ہے ﴿۱۰﴾ اور حضرت محمد بن سیرین (۳۳۔۱۱۰ھ/۶۵۳۔۷۲۸ء) ﴿۱۱﴾ کے بقول ایلہ ہے ﴿۱۲﴾

ایک روایت کے مطابق مچھلی اس وجہ سے زندہ ہوگئی کہ اس پر وہاں چشمۂ حیات نامی ایک چشمے کا پانی پڑا تھا۔ جب کسی مری ہوئی چیز پر وہ پانی پڑتا تو وہ زندہ ہو جاتی ﴿۱۳﴾ ایک دوسرے بیان کے مطابق حضرت موسیٰؑ کے خادم حضرت یوشع بن نون وضو کر رہے تھے کہ پانی کی چھینٹیں زنبیل میں رکھی مچھلی پر پڑیں جس سے وہ زندہ ہوگئی ﴿۱۴﴾

جب حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی جدائی کا وقت قریب آیا تو حضرت خضر نے کہا اگر

﴿۷﴾ حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۴۸۲

﴿۸﴾ حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۴۸۲۔۴۸۳

﴿۹﴾ قرآن اور حدیث وروایات سے اس کی تائید نہیں ہوتی اس لیے اس قول کو قبول عام حاصل نہ ہوسکا۔

﴿۱۰﴾ صحیح مسلم بشرح نووی، کتاب الفضائل، فضائل الخضر، تاریخ روضۃ الصفا ۱:۹۲

﴿۱۱﴾ ابوبکر محمد بن سیرین تابعی، علم وفضل اور زہد وورع میں یگانہ روزگار تھے۔بصرہ کے تین بڑے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ حدیث اور علم تعبیر الرؤیا میں خاص مہارت حاصل تھی۔ تذکرۃ الحفاظ ۱: ۷۷، لواقح الانوار ۱:۳۶

﴿۱۲﴾ صحیح مسلم بشرح نووی، کتاب الفضائل، فضائل الخضر

﴿۱۳﴾ حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۴۸۱، صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الکہف، الجزء السادس ص ۱۱۵

﴿۱۴﴾ حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۴۸۱

آپ صبر سے کام لیتے تو تمھیں ایک ہزار عجائبات دکھاتا جو سب کے سب اس سے بھی عجیب ہوتے جو آپ نے دیکھے۔ حضرت موسیٰ یہ سن کر جدائی پر روئے۔ اس کے بعد دونوں پیغمبروں نے ایک دوسرے کو نصیحتیں کیں ﴿۱۵﴾

شیخ محی الدین ابن عربی (۵۶۰۔۶۳۸ھ/۱۱۶۵۔۱۲۴۰ء) ﴿۱۶﴾ کا بیان ہے کہ میں بیابان میں حضرت خضر کے ہمراہ تھا۔ انھوں نے حضرت موسیٰ کے ساتھ سفر کی عجیب وغریب باتیں سنائیں۔ جب میں نے اس بارے میں پوچھا تو کہا کہ میں نے پسر عمران (حضرت موسیٰ) کے لیے ایک ہزار مسائل تیار کیے تھے جب ان سے تین مسئلوں پر صبر نہ ہو سکا تو میں نے دوسرے مسائل کے اظہار سے احتراز کیا اور ان کی مصاحبت کا راستہ ہی بند کر دیا ﴿۱۷﴾

☆☆☆

﴿۱۵﴾ حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۲۸۶

﴿۱۶﴾ ابو بکر محی الدین محمد بن علی الحاتمی الطائی المعروف بہ ابن اندلس کے شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ عالم اسلام کے مختلف شہروں کی سیاحت کر کے حج کو گئے جہاں آپ نے فتوحات مکہ تصنیف کی۔ آپ کثیر التصنیف عالم، مفکر، اور صوفی تھے۔ آپ کو شیخ اکبر بھی کہا جاتا ہے۔ دمشق میں وفات پائی اور جبل قاسیون میں دفن ہوئے۔ آپ نے مسلمانوں کے فکری نظام پر دوررس اثرات ڈالے ہیں۔ لوامع الانوار ۱:۱۸۸

﴿۱۷﴾ حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۲۸۶ تاریخ روضۃ الصفا ۱:۹۲

حضرت خضر
ولایت، نبوت اور رسالت

حضرت خضر کی نبوت میں علما کے درمیان اختلاف ہے۔صوفیا کے ایک طبقہ کا کہنا ہے کہ حضرت خضر ولی ہیں ﴿۱﴾۔امام قشیری (۳۷۶۔۴۶۵ھ/۹۸۶۔۱۰۷۲ء) ﴿۲﴾ کہتے ہیں کہ حضرت خضر نبی نہیں ولی ہیں ﴿۳﴾۔امام ماوردی (المتوفی ۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء) ﴿۴﴾ کا بیان ہے "کہا جاتا ہے کہ حضرت خضر نبی ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں ولی ہیں اور ایک رائے یہ ہے کہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہیں جو آدمیوں کی صورت اختیار کرتے ہیں"۔لیکن امام نووی کے نزدیک آخری قول جس میں حضرت خضر کو فرشتہ کہا گیا ہے، غریب ،ضعیف یا باطل ہے﴿۵﴾۔ابوالخطاب بن دحیہ (۵۴۴۔۶۳۳ھ/۱۱۴۹۔۱۲۳۵ء) ﴿۶﴾ کا قول ہے کہ ہم

﴿۱﴾ الاصابہ ۲:۲۸۹

﴿۲﴾ الامام ابوالقاسم عبدالکریم ابن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ القشیری، خراسان کے مشہور امام اور شیخ طریقت گزرے ہیں۔آپ کی تصنیف "الرسالۃ القشیریہ" کا شمار تصوف کی بنیادی کتابوں میں ہوتا ہے۔آپ کا انتقال نیشاپور میں ہوا۔

﴿۳﴾ الامام ابوالقاسم عبدالکریم ابن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ القشیری النیشاپوری الشافعی، الرسالۃ القشیریہ، تحقیق الدکتور عبدالحلیم محمود / محمود بن الشریف، دارالکتب الحدیثہ القاہرہ الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء ۲:۶۶۸، الاصابہ ۲:۲۸۹، تہذیب الاسماء واللغات ۱:۱۷۷، حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۲۸۵

﴿۴﴾ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب القاضی البصری مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے تھے۔آپ پر اعتزال کا الہام تھا، مگر بعض علماء کا خیال ہے کہ آپ اس سے بری تھے۔ان کی تفسیر "النکت العیون" کے نام سے مشہور ہے۔

﴿۵﴾ تہذیب الاسماء واللغات ۱:۱۷۷ صحیح مسلم بشرح نووی کتاب الفضائل، فضائل الخضر حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۲۸۵

﴿۶﴾ ابوالخطاب عمر بن حسین بن علی الکلبی المعروف بہ ابوالخطاب ابن دحیہ اندلس کے ممتاز عالم ادب، تاریخ، فقہ، اور حدیث کے فاضل تھے۔سیرت میں کتاب التنویر لکھی ہے۔قاہرہ میں وفات پائی۔

نہیں جانتے کہ وہ فرشتہ ہیں یا نبی یا بندۂ صالح ہیں ﴿۷﴾

اکثر علما کے نزدیک حضرت خضر نبی ہیں۔ امام ثعلبی کا کہنا ہے کہ تمام اقوال میں حضرت خضر معمر نبی ہیں بلکہ بعض علما کا قول ہے کہ حضرت خضر کی نبوت کا اعتقاد زندقہ کے عقدہ کا پہلا حل ہے کیوں کہ زنادقہ ان کے غیر نبی ہونے کو اس خیال کا ذریعہ بناتے ہیں کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے جیسا کہ ان میں سے کسی کہنے والے نے کہا ہے۔

مقـــام الـنبـــوة فـي بــرزخ فويق الرسول ودون الولي ﴿۸﴾

امام نووی نے ان لوگوں کے قول کو ترجیح دی ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت خضر نبی تھے ﴿۹﴾۔ ابوحیان (التوفی ۷۴۵/۱۳۴۴ء) ﴿۱۰﴾ کا کہنا ہے کہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ وہ نبی ہیں ﴿۱۱﴾۔ ابن کثیر (۷۰۱-۷۷۴ھ/۱۳۰۱-۱۳۷۲ء) ﴿۱۲﴾ نے حضرت خضر کی نبوت پر سورہ کہف سے چار دلیلیں دی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کے بارے میں کہا ہے:

فَوَجَدَ عبداً مِن عِبَادِنَا اٰتَینهُ رحمةً مِّن عِندِنَا وعَلَّمنهُ مِن لَّدُنا عِلماً (الکھف:۶۵)

''سو وہاں پہنچ کر انھوں نے (حضرت موسیٰ نے) ہمارے بندوں میں سے

﴿۷﴾ الاصابہ ۲:۲۸۹

﴿۸﴾ الاصابہ ۲:۲۸۸

﴿۹﴾ تہذیب الاسماء واللغات ۱:۱۷۶

﴿۱۰﴾ اثیر الدین ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان الاندلسی الغرناطی الحیانی المعروف بہ ابوحیان مشہور محدث، مفسر، لغوی اور نحوی ہیں۔ تفسیر میں ان کی تصنیف ''البحر المحیط'' کے نام سے مشہور ہے۔

﴿۱۱﴾ الاصابہ ۲:۲۸۹

﴿۱۲﴾ حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن ابی حفص عمر بن کثیر القرشی الشافعی، امام ابن تیمیہ کے شاگرد، شام کے مشہور مفسر محدث، مورخ اور فقیہ تھے۔ تفسیر القرآن العظیم، اختصار علوم الحدیث، البدایہ والنہایہ ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔

ایک بندہ یعنی خضر کو پایا جن کو ہم نے اپنی خاص رحمت (یعنی نبوت) دی تھی اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے ایک (خاص طور) کا علم سکھلایا تھا۔"

(۲) حضرت موسیٰ نے ان سے کہا:

قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا
قَالَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا (الکہف:۶۶۔۶۷)

"موسیٰ نے کہا کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط سے کہ جو علم مفید آپ کو (من جانب اللہ) سکھلایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھ کو بھی سکھلا دیں، انھوں نے فرمایا آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا۔"

اگر وہ نبی نہ ہوتے تو موسیٰؑ کو اس انداز سے خطاب نہ کرتے اور نہ موسیٰؑ کی درخواست مسترد کرتے۔ اگر وہ غیر نبی ہوتے تو معصوم نہ ہوتے اور نہ موسیٰؑ کے دل میں اتنی زیادہ رغبت ہوتی۔

(۳) مستقل دلیل یہ ہے کہ انھوں نے ایک لڑکے کو قتل کیا۔ یہ ان کی نبوت اور عظمت کی دلیل ہے۔ اگر وہ ولی ہوتے تو کسی کو قتل کرنے کے لیے وہ اپنے خواطر یا اپنے کشف پر عمل کیسے کرتے۔ اس لیے کہ اولیا کے لیے معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۴) ان تمام افعال کے بعد انھوں نے کہا:

رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ﴿۱۳﴾

"آپ کے رب کی رحمت سے، اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا۔"

﴿۱۳﴾ قصص الانبیاء ۲:۵۲۲۔۵۲۳، البدایہ والنہایہ ۱:۳۲۸

بعض علما کے بقول اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کی زبانی فرمایا "وما فعلته عن امری" اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے یہ کام بہ حکم خدا انجام دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن پر وحی اتری تھی۔ اس وحی کے مطابق انھوں نے ایک لڑکے کو قتل کیا۔ اگر غیر نبی ہوتے تو انسان کو قتل کرنے کے لیے وحی (الہام) پر عمل کرنا ان کے لیے ضروری نہ تھا۔ اس لیے ان کی نبوت کا انکار ممکن نہیں اور انکار ممکن کیسے ہو، اس سے تو غیر نبی کا زیادہ عالم ہونا لازم آئے گا۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کہا "بلی عبدنا خضر" نیز نبی غیر نبی کا تابع کس طرح ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳-۸۵۲ھ/۱۳۷۱-۱۴۴۸ء) ﴿۱۴﴾ نے اسی لیے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ ان کی جو باتیں ہوئیں وہ زیادہ تر اس شخص کی درستی پر دلالت کرتی ہیں جو یہ کہتا ہے کہ وہ نبی تھے ﴿۱۵﴾

مفسرین میں امام زمخشری (۴۶۸-۵۳۸ھ/۱۰۷۵-۱۱۴۳ء) ﴿۱۶﴾ بھی اس رائے کے قائل ہیں کہ حضرت خضر نبی ہیں ﴿۱۷﴾۔ مفسر قرطبی (التوفی ۶۷۱ھ/۱۲۷۳ء) ﴿۱۸﴾

﴿۱۴﴾ حافظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن محمد المعروف بہ ابن حجر عسقلانی، شارح بخاری، نامور محدث، فقیہ اور شاعر تھے۔ علم حدیث میں آپ کی گراں قدر خدمات ہیں۔ صحیح بخاری کی شرح فتح الباری کے نام سے لکھی ہے۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ، لسان المیزان، طبقات الحفاظ، درر کامنہ دوسری اہم تصانیف ہیں۔

﴿۱۵﴾ الاصابہ ۲:۲۹۰

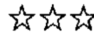
﴿۱۶﴾ امام ابوالقاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی شہرہ آفاق مفسر، قرآن، لغت، نحو، بیان اور تفسیر کے امام ہیں۔ تفسیر میں الکشاف بہت مشہور ہے۔ امام موصوف کی دوسری تصانیف بھی کافی مقبول ہیں۔ وفیات الاعیان ۵:۱۶۸

﴿۱۷﴾ ابولقاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری الخوازمی۔ الکشاف، مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر، قاہرہ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء ۲:۴۹۲

﴿۱۸﴾ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی۔ الجامع لاحکام القرآن کے معنف ہیں۔ یہ تفسیر قرآنی احکام اور آیات سے احکام کے استنباط سے بحث کرتی ہے۔ مصنف عالم فاضل کے ساتھ ساتھ حد درجہ متقی تھے۔

بھی حضرت خضر کو نبی مانتے ہیں ﴿۱۹﴾ اور علامہ آلوسی (المتوفی ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) ﴿۲۰﴾ بھی حضرت خضر کی نبوت کے قائل ہیں ﴿۲۱﴾

اہل کتاب کے ایک طبقہ کا کہنا ہے کہ حضرت خضر ان کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ ابوالحسن رمانی (المتوفی ۳۸۴ھ) ﴿۲۲﴾ اور ابن جوزی (۵۰۸-۵۹۷ھ/ ۱۱۱۴-۱۲۰۱ء) ﴿۲۳﴾ نے ان کے قول کی تائید کی ہے ﴿۲۴﴾۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور وہب بن منبہ کا قول ہے کہ وہ غیر مرسل نبی تھے ﴿۲۵﴾۔ یہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔



﴿۱۹﴾ ابوعبداللہ بن احمد الانصاری القرطبی ۔ الجامع لاحکام القرآن تحقیق ابواسحاق ابراہیم اطفیش، الھیۃ المصریہ العامہ للکتاب ۱۹۸۷ء ۱۱: ۱۶، ۲۹

﴿۲۰﴾ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود الآلوسی عراق کے مشہور مفسر گزرے ہیں۔ آپ کی ضخیم تفسیر روح المعانی میں صوفیانہ رموز واشارات کا بیان بھی ملتا ہے۔ روح المعانی ۳۰ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔ بڑی جامع تفسیر مانی جاتی ہے۔

﴿۲۱﴾ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود الآلوسی ۔ روح المعانی، مصر ۱۳۵۳ھ ۱۵: ۳۲۰، مولانا انور شاہ کشمیری کا کہنا ہے "میرا گمان ہے کہ حضرت خضر پیغمبر ہی ہوں گے" انوار الباری

﴿۲۲﴾ ابوالحسن علی بن عیسیٰ النحوی المعروف بہ الرمانی فقہ، نحو اور کلام کے ماہر گزرے ہیں۔

﴿۲۳﴾ جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن المعروف بہ ابن جوزی، بغداد کے مشہور مفسر، محدث، فقیہ، ادیب، مورخ اور خطیب تھے۔ تین سو سے زائد کتابیں لکھی ہیں۔ ایک لاکھ افراد نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور بیس ہزار نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے وصیت کی تھی، میرے استعمال کیے گئے قلموں کے تراشوں سے میرے غسل کے پانی کو گرم کیا جائے۔ تراشوں سے پانی گرم کیا گیا، پھر بھی تراشے بچ گئے۔

﴿۲۴﴾ الاصابہ ۲: ۲۸۸-۲۸۹ الزھر النضر ص ۶۸

﴿۲۵﴾ الاصابہ ~~۲: ۲۸۸-۲۸۹ الزھر النضر~~ ص ۶۸

تصوف میں حضرت خضر کا مقام

صوفیا کے یہاں حضرت خضر کا تذکرہ کثرت سے آتا ہے۔ کبار صوفیا کی رائے ہے کہ حضرت خضر نبی نہیں ولی ہیں۔ جبکہ بعض علمائے تصوف کا خیال ہے کہ خضر ایک شخص کا نہیں بلکہ رجال الغیب میں ایک منصب کا نام ہے، جیسے قطب، غوث یا ابدال کے مناصب ہوتے ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ ہر زمانے کا ایک خضر ہوتا ہے جو اولیا کا نقیب ہوتا ہے۔ جب اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو دوسرا نقیب اس کی جگہ لیتا ہے اسے خضر کہتے ہیں ﴿۱﴾۔ بعض صوفیا انھیں نقیب الاولیا کہتے ہیں۔ حضرت خضر بھی رجال الغیب کی طرح نظروں سے اوجھل رہتے ہیں اس لیے انھیں ''رئیس الابدال'' بھی کہا جاتا ہے ﴿۲﴾

محمد داراشکوہ (۱۰۲۴۔۱۰۷۰ھ/۱۶۱۵۔۱۶۵۹ء) ﴿۳﴾ نے شیخ محی الدین ابن عربی کی رائے نقل کی ہے کہ حضرت خضر کا تعلق اولیاء کے اس طبقے سے ہے جو ''مفردان'' کہلاتا ہے۔ شیخ کے مطابق مفردان کا گروہ قطب کے دائرہ سے باہر ہے۔ حضرت خضر کا شمار انھیں میں ہوتا ہے۔ بعثت سے پہلے آنحضرت ﷺ کا تعلق بھی ''مفردان'' سے تھا ﴿۴﴾۔ مفردان ایک

﴿۱﴾ الاصابہ ۲:۲۹۴

﴿۲﴾ الامام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی۔ احیاء علوم الدین۔ شرکتہ مکتبہ ومطبعتہ مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء ۱:۳۴۷ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ النوادر مشمولہ المسلسلات، مکتبہ یحیویہ سہارنپور ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء ص ۷۵

﴿۳﴾ مغل فرمانروا شاہ جہاں کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ شہزادہ داراشکوہ کو علم وفضل سے لگاؤ تھا۔ انھوں نے متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں رسالہ حق نما، حسنات العارفین، سفینۃ الاولیا اور سکینۃ الاولیاء قابل ذکر ہیں۔

﴿۴﴾ سفینۃ الاولیاء بذیل شیخ عبد القادر جیلانی ص ۵۷

دوسرے سے بے نیاز اور اپنے مقام ومرتبہ کے لحاظ سے ممتاز ہوتے ہیں۔ان کی تعداد طاق ہوتی ہے اور ان کا مقام نبوت وصدیقیت کے بین بین ہے﴿۵﴾

صوفیا میں اکثر حضرات حضرت خضر کی ولایت کے قائل ہیں۔ اس سے بعض غیر محتاط صوفیا کو مغالطہ ہوا ہے کہ ولی کو نبی پر فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے درمیان جو واقعہ گزرا ہے اس سے حضرت خضر کی علمی برتری ثابت ہوتی ہے۔صوفیا کا کہنا ہے کہ حضرت خضر کو علم لدنی ،علم غیب یا علم باطن دیا گیا تھا جس سے حضرت موسیٰ محروم تھے۔ یہیں سے حضرت خضر کی فضیلت یا بالفاظ دیگر ولی کی افضلیت اخذ کی جاتی ہے۔امام قشیری اولیا کی کرامات کے قرآنی دلائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن ذالک ما اظهر علی ید ی الخضر علیه السلام من اقامة الجدار وغیره من الاعاجیب وما کان یعرفه مما خفی علی موسی علیه السلام کل ذالک امور ناقضة للعادة اختص الخضر علیه السلام بها ولم یکن نبیاً وانما کان ولیاً﴿٦﴾۔

”اور انہی دلائل میں سے وہ (کرامات) ہیں جو حضرت خضر کے ہاتھوں دیوار کھڑی کر دینے اور دوسرے عجیب امور ظاہر ہوئے نیز ان کا اس چیز کو جاننا جو حضرت موسیٰ پر مخفی تھا (بھی انہی دلائل میں سے ہے) یہ سب امور خارق عادت ہیں جن سے حضرت خضر کو خاص کیا گیا تھا حالانکہ وہ نبی نہ تھے ولی تھے۔“

﴿۵﴾ سفینۃ الاولیاء ص ص ١٦۔١٧

﴿٦﴾ الرسالۃ القشیریہ ٢:٦٦٨

شیخ ابو نصر سراج طوسی (المتوفی ۳۷۸ھ/۹۸۸ء) ﴿۷﴾ حضرت علی کرم اللہ وجہہ (۲۳ق ھ۔۴۱ھ/۵۹۹۔۶۶۱ء) کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ذاک امرؤ اعطی علم اللدنی والعلم اللدنی هو العلم الذی خص به الخضر علیه السلام قال الله تعالی (وعلمناه من لدنا علماً) وقد سمعت بقصة الخضر وموسیٰ علیه السلام قوله (انک لن تسطیع معی صبراً ﴿۸﴾

''یہ وہ شخص ہیں جنہیں علم لدنی عطا کیا گیا تھا اور علم لدنی وہ علم ہے جس سے حضرت خضر کو مخصوص کیا گیا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: (ہم نے اپنے پاس سے اسے علم دیا ہے) اور تم نے حضرت خضر اور حضرت موسیٰؑ کا قصہ اور ان کا یہ قول (کہ تم سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا) سنا ہے۔''

شیخ ابو نصر سراج الطوسی کہتے ہیں کہ یہاں بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوگئی ہے کہ ولایت کو نبوت پر فضیلت حاصل ہے ﴿۹﴾۔ رسالہ ابدالیہ میں حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا گیا ہے کہ حضرت خضر علم غیب جانتے تھے، اس لیے حضرت موسیٰ نے کہا:

هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰۤی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا

(الکہف:۶۶) ﴿۱۰﴾

﴿۷﴾ شیخ ابو نصر سراج طوسی، کا وطن طوس ہے۔ آپ نے تصوف شیخ ابو محمد مرتعش سے حاصل کیا اور ''اللمع فی التصوف'' تصنیف کی جس کا شمار تصوف کی بنیادی اور اہم کتابوں میں ہوتا ہے۔ شیخ کا مزار طوس میں ہے۔ نفحات الانس ص ص ۱۸۰۔۱۸۱

﴿۸﴾ ابو نصر السراج الطوسی۔ اللمع، تحقیق وتقدیم وتخریج الدکتور عبد الحلیم محمود، طہ عبد الباقی سرور، دار الکتب الحدیثہ بمصر ومکتبہ المثنی بغداد، ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء ص ۱۷۹

﴿۹﴾ اللمع ص ۱۷۹

﴿۱۰﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۲۹

''کیا اس شرط پہ آپ کے ساتھ رہوں کہ جو علم خدا کی طرف سے آپ کو سکھایا گیا ہے آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی کی باتیں سکھائیں۔''

صوفیا کی رائے بھی یہی ہے کہ حضرت خضر علم غیب سے بہرہ ور ہیں۔علم غیب، علم باطن یا علم لدنی کی بنا پر ارباب حال حضرت خضر کو حضرت موسیٰ پر فضیلت دیتے ہیں۔ اس لیے بعض غیر محتاط صوفیا وہ ادب ملحوظ نہیں رکھ پائے جو حضرت موسیٰ جیسے برگزیدہ پیغمبر کے شایاں شان ہے۔ شیخ ابونصر السراج الطوسی دونوں برگزیدہ ہستیوں کے درمیان گزرے واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''جان لو کہ علم اس سے زیادہ ہے کہ فہیم ہستیوں کا فہم اس کا احاطہ کر سکے یا عقلاء کی عقول اس کا ادراک کر سکیں اور تمہارے لیے حضرت موسیٰ وحضرت خضر کا قصہ کافی ہے جبکہ حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے جلال اور ہمکلامی، نبوت، وحی اور رسالت کی خصوصیات سے نوازا تھا اور اللہ تعالیٰ نے نبی صادق کی زبان سے کہا کہ حضرت موسیٰ اس کے بندوں میں سے ایک بندے کے علم سے عاجز ہوئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَوَجَدَ اَعْبداً مِّنْ عِبَا دِنَا آتینَاہُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا.

''تو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی۔''

یہاں تک کہ انہوں نے اس بندے سے کہا:

هل اَتّبِعُک

''کیا میں تمہارے ساتھ رہوں۔''

اس طرح موسیٰ نے اس شخص کی شرافت اور عصمت کی تائید کی اور اقرار کیا کہ وہ ان کا انکار نہیں کریں گے۔ باوجود اس کے کہ حضرت خضر نبوت، رسالت اور اللہ

کے ساتھ ہم کلام ہونے میں کسی طرح موسیٰ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے تھے" ﴿۱۱﴾

شیخ موصوف نے ان لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی ہے جو ولایت کو نبوت پر برتری دیتے ہیں۔ شیخ نے ایک علیحدہ عنوان "باب فی ذکر من غلط فی النبوة والولایة" کے تحت اس مسئلے کو زیر بحث لایا ہے۔ انھوں نے ایک بلند پایہ صاحب حال کی حیثیت سے اس پر جو بحث کی ہے وہ صرف اس شخص کا حصہ ہے جو قرآن وحدیث پر گہری نظر رکھتا ہو۔ باب کے آغاز میں شیخ کہتے ہیں:

ثم ضلت فرقة اخری فی تفصیل الولایة علی النبوة ووقع غلطهم فی قصه موسی والخضر علیهما السلام وتفکرهم فی ذالک برایهم ﴿۱۲﴾

"ایک فرقہ ولایت کو نبوت پر فضیلت دینے میں گمراہ ہوا اور ان کی غلطی حضرت موسیٰ وخضرؑ کے قصہ میں اور اس میں اپنی رائے سے تفکر کرنے میں واقع ہوگئی۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کے متعلق فرمایا کہ وہ ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ تھا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

عَبْداً مِّنْ عِبَادِنَا آتیناهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِ نَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (الکہف:۶۵)

"پایا انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ جسے ہم نے اپنے پاس

﴿۱۱﴾ اللمع ص ۴۵۵
﴿۱۲﴾ اللمع ص ۵۳۵

سے رحمت عطا کی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔“

اور حضرت موسیٰؑ کے لیے ہمکلامی اور رسالت کی خصوصیات کے ساتھ یہ بھی فرمایا:

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (الاعراف:۱۴۵)

”ہم نے ان کے لیے لکھ دی تختیوں میں نصیحت کی ہر چیز اور ہر چیز کی تفصیل۔“

بایں ہمہ حضرت خضر حضرت موسیٰ سے کہتے ہیں:

اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا (الکھف:۶۷)

”تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکو گے“

اور جواب میں حضرت موسیٰ ان سے کہتے ہیں:

لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا (الکھف:۷۳)

”مجھ سے میری بھول پر گرفت نہ کیجیے اور نہ میرے معاملے مجھ پر مشکل ڈالیے۔“

اس سے اس گمراہ فرقہ نے یہ خیال کیا کہ حضرت موسیٰ کی نبوت میں یہ کوئی نقص تھا اور حضرت خضر کو حضرت موسیٰ پر فضیلت حاصل ہے۔ اس خیال نے انھیں یہاں تک پہنچایا کہ انھوں نے اولیا کو انبیا پر فضیلت دی ﴿۱۳﴾

شیخ ابونصر السراج کا کہنا ہے کہ ان لوگوں کی توجہ اس پر نہ رہی کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے، جس سے چاہے اور جس طرح چاہے خاص کرتا ہے۔ جس طرح آدم کو سجود ملائکہ سے، حضرت

﴿۱۳﴾ اللمع ص ۵۳۵

نوح کو سفینہ سے، حضرت صالح کو اونٹنی سے، حضرت ابراہیم کو آگ کی ٹھنڈک اور سلامتی سے، حضرت عیسیٰ کو مردہ زندہ کرنے سے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شق القمر اور انگلیوں سے چشمے جاری ہونے سے ممتاز کیا ﴿۱۴﴾

غیر محتاط صوفیا کے اس خیال پر علماء اسلام نے سخت گرفت کی ہے۔ انھوں نے اس غلط خیال کو یہ کہہ کر مسترد کیا ہے کہ حضرت خضر نبی تھے۔ ان کے نزدیک حضرت خضر کو نبی ماننا اس زندقہ کا پہلا حل ہے جس کے تحت ولی کو نبی پر فضیلت دی جاتی ہے ﴿۱۵﴾۔ مگر شیخ ابوالنصر السراج الطوسی نے قرآن وحدیث سے استدلال کر کے گمراہ صوفیا کے اس غلط خیال کی تردید کی ہے۔ شیخ کا بیان ہے:

> ''جہاں تک غیر انبیاء کا سوال ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کا قرآن میں ذکر فرمایا جہاں (فرشتہ ان سے) کہتا ہے:
>
> وَهُزِّىٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا (مریم:۲۵)
>
> 'اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا تجھ پر تازی پکی کھجوریں گریں گی۔'
>
> حالانکہ حضرت مریم نبیہ نہ تھیں اور نہ یہ خصوصیت انبیاء کرام میں سے کسی کو حاصل تھی۔ اس سے کسی کہنے والے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ کہے کہ انھیں یعنی حضرت مریم کو انبیاء کرام پر فضیلت حاصل ہے'' ﴿۱۶﴾

شیخ نے اپنی دلیل کی تائید میں حضرت سلیمان کے وزیر آصف بن برخیا کے واقعہ سے بھی استشہاد کیا ہے۔ جنہیں کتاب کا ایسا علم دیا گیا تھا کہ انھوں نے پلک جھپکنے سے پہلے حضرت

﴿۱۴﴾ اللمع ص ص ۵۳۵۔۵۳۶

﴿۱۵﴾ الاصابہ ۲:۲۸۸

﴿۱۶﴾ اللمع ص ۵۳۶

سلیمان کے سامنے بلقیس کے تخت کو لا کر پیش کیا۔ شیخ کا کہنا ہے کہ آصف بن برخیا کے اس کمال کو دیکھ کر یہ کہنا کیسے جائز ہوگا کہ وہ حضرت سلیمان سے افضل تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو نبوت، فہم اور سلطنت عطا کی تھی۔ سورہ النمل میں اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اس واقعہ کے علاوہ شیخ نے اسی سورہ میں مذکور ہُد ہُد کے واقعے سے بھی دلیل دی ہے۔ شیخ کا کہنا ہے کہ ہُد ہُد کو پانی دریافت کرنے کا ایسا علم دیا گیا تھا جو اس کے علاوہ کسی دوسرے پرندے حتیٰ کہ جن وانس میں کسی کو حاصل نہ تھا ﴿۱۷﴾

شیخ ابونصر السراج الطوسی نے قرآن کے بعد حدیث سے بھی دلیل ہے۔ انھوں نے حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث کا ٹکڑا دیا ہے۔ جس میں آپؐ نے تین مشہور صحابہ حضرت زید (۴۵ھ/۶۶۵) حضرت ابی بن کعب (المتوفی ۳۲ھ/۶۵۱ء) اور حضرت معاذ بن جبل (المتوفی ۱۸ھ/۶۳۹ء) کے امتیازی اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ تم میں سب سے زیادہ علم فرائض کے جاننے والے حضرت زید، سب سے اچھی قرأت کرنے والے حضرت ابی بن کعب اور سب سے بڑھ کر حلال وحرام جاننے والے حضرت معاذ بن جبل ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے دس صحابہ کو جنت کی بشارت دی ہے۔ یہ تینوں صحابہ ان دس صحابہ یعنی عشرہ مبشرہ میں شامل نہیں ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق (۵۰ق.ھ۔۱۳ھ/ ۵۷۳ء۔۶۳۴ء) ان تینوں صحابہ سے افضل ہیں ﴿۱۸﴾۔ شیخ کے اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت مریم کی کرامت، آصف بن برخیا کے علم اور ہُد ہُد کی صلاحیت کے باوجود انھیں نبی پر فضیلت دینا جائز نہیں یا مذکورہ تینوں صحابہ حضرت زید، حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ بن جبل کو بعض اوصاف میں تمام صحابہ میں افضل ہونے کے باوجود عشرۂ مبشرین یا حضرت ابوبکر صدیق پر فضیلت نہیں دی جا سکتی اسی طرح حضرت خضر کو حضرت موسیٰ پر فضیلت نہیں دی جا سکتی اور نہ

﴿۱۷﴾ اللمع ص ۵۳۶ ﴿۱۸﴾ اللمع ص ۵۳۶

کسی ولی کو نبی پر فضیلت دینا جائز ہے۔

شیخ موصوف نے باب کے آخر میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس موضوع پر حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ شیخ کا بیان ہے:

''اولیا میں سے کسی ولی کو جو کرامت حاصل ہوتی ہے وہ حضور اکرمؐ کی حسن اتباع کا ثمرہ ہوتی ہے تو یہ کیسے جائز ہوگا کہ تابع کو متبوع پر اور مقتدی کو امام پر فضیلت دی جائے۔ حالانکہ انبیاء کرام کو جو کچھ عطا ہوتا ہے اولیاء کو اس میں سے شمہ بھر عطا کیا جاتا ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ انبیاء کرام کو واسطہ یعنی فرشتے کے ذریعے وحی بھیجی جاتی ہے جبکہ اولیاء کو براہ راست اللہ کی طرف سے الہام کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہیں پر آپ نے غلطی کی کیونکہ انبیاء کا یہ حال ہمیشہ ہوتا ہے۔ یعنی الہام۔ مناجاۃ، تلقف من اللہ بغیر واسطے کے ہوتا ہے جبکہ اولیاء کو کبھی کبھار ہوتا ہے۔ اور انبیاء کرام کو رسالت، نبوت اور نزول جبریل سے وحی کی فضیلت حاصل ہوتی ہے: اولیاء کو یہ چیز حاصل نہیں ہوتی۔ اور اگر حضرت خضر پر حضرت موسیٰ کے انوار اور ہم کلامی کی ان کی خصوصیات میں سے ایک ذرہ ظاہر ہوتا تو وہ گم ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے حجاب میں رکھا تاکہ اس سے حضرت موسیٰ کو آراستگی اور مزید فضیلت حاصل ہو۔ اس کو ذہن میں رکھو۔ اور ولایت وصدیقیت تو خود انوار نبوت سے منور ہوتی ہے۔ یہ کبھی نبوت کو نہیں پہنچ سکتی۔ اسے کیسے نبوت پر فضیلت دی جائے گی'' ﴿۱۹﴾

☆☆☆

﴿۱۹﴾ اللمع ص ص ۵۳۶۔۵۳۷

حضرت خضر اور صوفیا

اہل تصوف میں بہت سے بزرگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے حضرت خضر سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے۔ بعض صوفیا نے ان سے خرقۂ طریقت پایا ہے جبکہ کئی ایک بزرگوں کو ان سے مخصوص اوراد و وظائف ملے ہیں۔ چند ایک نے ان سے جنگلوں اور بیابانوں میں ملاقات کر کے کسب فیض کیا ہے اور متعدد ایسے خوش نصیب گزرے ہیں جنھیں یہ سعادت گھر بیٹھے ملی ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے حضرت خضر سے بالواسطہ اور بلا واسطہ خرقہ پایا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے ۶۰۱ھ میں موصل کے مضافات مقلی میں ابن جامع کے باغ میں اسی جگہ ابن جامع کے ہاتھ سے خرقہ پہنا جہاں حضرت خضر نے انھیں پہنایا تھا۔ اس کے علاوہ شیخ نے ایک اور طریقے سے بھی حضرت خضر سے خرقہ پایا ہے جس میں تین واسطے تھے ﴿۱﴾۔ شیخ کا بیان ہے کہ میں حضرت خضر کی صحبت میں رہا ہوں، میں نے ان سے ادب اور وصایا حاصل کیے ہیں۔ انھوں نے مجھے مقامات شیوخ کو ماننے کی وصیت کی۔ میں نے ان سے خرق عادت کی تین باتیں دیکھیں۔ وہ سمندر پر چلتے تھے، طئی ارض یعنی پاؤں سے زمین کو لپیٹ لیتے تھے۔ اور ہوا میں نماز پڑھتے تھے ﴿۲﴾۔ بعض دوسرے بزرگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ

﴿۱﴾ شیخ محی الدین ابن عربی۔ الفتوحات المکیہ القاہرہ ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء ۳:۱۸۵۔۱۸۶، سفینۃ الاولیاء ص۶۷، نفحات الانس ص۳۵۷

﴿۲﴾ نفحات الانس ص۳۵۷

انہوں نے حضرت خضر سے خرقہ ولایت یا خرقہ طریقت پایا تھا ﴿۳﴾

صوفیا کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر بعض اوقات تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ شیخ حکیم ترمذی (المتوفی ۳۲۰ھ/ ۹۳۲ء) ﴿۴﴾ جب بچپن میں ماں کی ضعیفی اور کمزوری کے پیش نظر حصول علم کے لیے شہر سے باہر نہ جا سکے تو حضرت خضر انھیں تین سال تک پڑھاتے رہے۔ شیخ کا بیان ہے کہ یہ سعادت انھیں والدہ کی رضا کے نتیجے میں حاصل ہوئی ﴿۵﴾

حضرت قطب الدین بختیار کاکی (المتوفی ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء) ﴿۶﴾ کو بچپن میں ان کی والدہ نے ایک قریبی مسجد میں قرآن پڑھنے کے لیے بھیج دیا، لیکن راستے میں انہیں ایک بزرگ ملے اور ایک دوسری مسجد میں اپنے ساتھ لے گئے۔ جہاں ایک استاد ابوحفص پڑھاتے تھے۔ استاد بزرگ کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور تعظیم بجا لائے۔ بزرگ نے انہیں بچے کو توجہ سے پڑھانے کی وصیت کی اور چلے گئے۔ بعد میں استاد نے حضرت قطب الدین سے کہا کہ یہ خواجہ خضر تھے ﴿۷﴾

﴿۳﴾ J.Spencer, Trimmingham, The Sufi Orders in Islam pp.42,63,114,262,279

﴿۴﴾ حکیم الاولیاء محمد بن علی الترمذی مشہور صوفی گزرے ہیں۔ ختم الولایہ اور نوادر الاصول ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ انھوں نے ختم الولایہ کا نظریہ پیش کیا۔ سوانح کے لیے دیکھیے: شیخ ابو حامد محمد بن ابی بکر ابراہیم فرید الدین عطار نیشاپوری۔ کتاب تذکرہ الاولیاء تقدیم آقای مرزا محمد قزوینی، تہران چاپ سوم سال ۱۳۳۶ ۲: ۷۷ الرسالۃ القشیریہ ۱: ۱۲۷، سفینۃ الاولیا ص ۱۲۹، لوائح الانوار ۱: ۹۱

﴿۵﴾ کتاب تذکرۃ الاولیاء ۲: ۷۷

﴿۶﴾ شیخ بختیار بن احمد بن موسیٰ المعروف بہ خواجہ بختیار کاکی اوش فرغانہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ہندوستان کا سفر کیا اور مرشد کے ارشاد کے مطابق دہلی کو اپنا مسکن بنایا۔ حضرت فرید الدین گنج شکر آپ کے مرید ہوئے۔ آپ کا انتقال دہلی میں ہوا۔ دیکھیے سفینۃ الاولیاء ص ۹۴

﴿۷﴾ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی۔ خیر المجالس، مرتبہ مولانا حمید قلندر، تصحیح و تقدیم خلیق احمد نظامی، علی گڑھ ص ص ۱۰۷-۱۰۸

مولانا یعقوب چرخی کا بیان ہے کہ ابتدائے حال میں میرے دل میں حصول تعلیم کے لیے سفر کا شوق پیدا ہوا لیکن اسباب میسر نہ تھے۔ چنانچہ میں متوجہ ہوا تو خواب میں خواجہ خضر کو فرماتے سنا، حصول علم کے لیے نکلو جہاں اور جب حاجت پیش آئے مجھے یاد کرنا۔ میں نے یہی کیا اور مجھے تجربہ سے یقین ہوا کہ خواب رحمانی تھا ﴿۸﴾

صوفیا کے بقول حضرت خضر لوگوں کی تعلیم و تادیب کے لیے مقرر ہیں۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ کی نگاہ راستے میں ایک حسین لڑکے پر پڑی۔ دوسری بار دیکھا تو الف سے لے کر والناس کی سین تک سارا قرآن بھول گئے۔ بزرگ حضرت خواجہ حسن بصری (۲۱۔۱۱۰ھ / ۶۴۳۔۷۲۸ء) ﴿۹﴾ کے پاس گئے اور سارا ماجرا سنایا۔ خواجہ حسن بصری نے کہا کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ مکہ جا کر محراب امام اعظم کے سامنے دوگانہ پڑھو اور بیٹھو۔ وہاں ایک بزرگ آئیں گے، ان سے اپنا واقعہ بیان کرو۔ بزرگ مکہ گئے اور جائے مذکورہ پر دوگانہ پڑھ کر بیٹھے۔ اتنے میں ایک بزرگ آئے اور دوگانہ پڑھ کر بیٹھ گئے۔ پہلے بزرگ نے ان سے اپنا واقعہ بیان کیا۔ یہ بزرگ خواجہ خضر تھے۔ انھوں نے اپنا لعاب دہن انگشت سبحہ سے ان کے منہ میں ڈالا۔ بزرگ کو از سر نو قرآن الحمد کے الف سے لے کر والناس کی سین تک یاد ہو گیا ﴿۱۰﴾

بعض صوفیا کو حضرت خضر نے اوراد و وظائف کی تعلیم دی اور بعض کو سفر و حضر میں مشوروں سے نوازا۔ شیخ ابراہیم مارستانی (تیسری صدی ہجری) ﴿۱۱﴾ کا کہنا ہے کہ میں نے خواب میں

﴿۸﴾ رسالہ ابدالیہ ص ص ۲۸۔۲۹

﴿۹﴾ یکتائے روزگار تابعی اور زہد و ورع میں امام وقت۔ تاریخ تصوف میں انھیں ممتاز مقام حاصل ہے۔ سلسلۂ تصوف میں اہم کڑی شمار ہوتے ہیں۔ ان کے مواعظ فصاحت و بلاغت کے ساتھ اثر آفرینی کے لیے مشہور ہیں۔ مولد و منشا مدینہ اور مدفن بصرہ ہے۔ تذکرۃ الحفاظ ۱: ۷۱، سفینۃ الاولیاء ص ۳۱

﴿۱۰﴾ خیر المجالس ص ۲۶۷

﴿۱۱﴾ ابو اسحاق ابراہیم بن احمد مارستانی بغداد کے رہنے والے تھے۔ حضرت جنید بغدادی کے دوست تھے۔ ان سے ابو محمد جریری نے حکایت کی ہے۔

حضرت خضر کو دیکھا، انھوں نے مجھے دس کلمات سکھائے اور انہیں ہاتھ کی انگلیوں پر گنا۔

اللھم انی اسا لک حسن الاقبا ل علیک والاصغاء الیک والفھم عنک والبصیرۃ فی امرک والنفاذ فی طاعتک والمواضبۃ علی ارادتک والمبادرۃ فی خدمتک وحسن الادب فی معاملتک وبرداتسلیم الیک والنظر الی وجھک ﴿۱۲﴾

''اے میرے اللہ! میں تیرے حضور اچھی حاضری، تیری طرف کامل توجہ، تیرے کلام کے فہم، تیرے معاملے میں بصیرت، تیری طاعت پر قیام، تیرے ارادے پر مداومت کرنے، تیرے حضور حاضر ہونے کے لیے عجلت، تیرے تعلق میں حسن ادب، سلامتی کو تیری ہی جانب پھیرنے اور تیری حاجت دیکھنے کی توفیق کا سوال کرتا ہوں۔''

شیخ ابراہیم بن ادہم (المتوفی ۱۶۱ھ /۷۷۸ء) ﴿۱۳﴾ نے صحرا میں ایک شخص سے اسم اعظم کی تعلیم پائی۔ انھوں نے اس کے ذریعے دعا کی تو حضرت خضر کا دیدار ہوا۔ انھوں نے شیخ سے کہا کہ تمھیں میرے بھائی داؤد علیہ السلام نے اسم اعظم کی تعلیم دی ہے ﴿۱۴﴾۔ بعض بیانات میں آیا ہے کہ انھیں حضرت خضر نے اسم اعظم سکھایا تھا اور چند نصیحتیں بھی کی تھیں

﴿۱۲﴾ اللمع ص۳۳۲

﴿۱۳﴾ شیخ ابو منصور، ابو اسحاق ابراہیم کا تعلق بلخ کے شاہی خاندان سے تھا۔ دنیا ترک کر کے زہد و ورع کی زندگی اختیار کی۔ مکہ جا کر حضرت سفیان ثوری اور فضیل بن عیاض کی صحبت میں رہے۔ امام ابوحنیفہ سے خاص تعلق تھا۔ بعد میں شام گئے۔ اپنے ہاتھ کی کمائی پر گزارہ کر لیتے تھے۔ شام ہی میں وفات پائی۔ ابو عبد الرحمٰن بن محمد بن حسین بن محمد بن موسیٰ السلمی۔ طبقات الصوفیا، مرتبہ جوہانس پیڈرسن، لیڈن ۱۹۸۰ء ص۱۳، نفحات الانس ص۲۸، لواقح الانوار ۱:۶۹

﴿۱۴﴾ طبقات الصوفیا ص ص ۱۵، ۱۹، الرسالۃ القشیریہ ۱:۵۲

﴿۱۵﴾۔شیخ ابراہیم التیمی (المتوفی ۹۲ھ/۷۱۰ء) ﴿۱۶﴾ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھیں حضرت خضر نے مسبعات عشر (ایک مخصوص تسبیح) کی تلقین کی اور آخر میں کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعلیم دی تھی ﴿۱۷﴾۔ایک اور بزرگ کا بیان ہے کہ طریقہ شاذلیہ کے اذکار و اوراد انھیں آنحضرت ﷺ سے حضرت خضر کے ذریعے ملے تھے جبکہ دونوں ان کے سامنے متشکل ہوئے تھے ﴿۱۸﴾

علمی مباحث کے ساتھ حضرت خضر کی دلچسپی ان واقعات سے عیاں ہے جو تصوف کی کتابوں میں بیان ہوئے ہیں۔شیخ حکیم ترمذی کے بارے میں ان کے مرید شیخ ابوبکر وراق (المتوفی ۳۴۷ھ/۹۵۸ء) ﴿۱۹﴾ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خضر ہر اتوار (بقول دارا شکوہ ہر سنیچر) کو ان سے ملنے آیا کرتے تھے۔دونوں میں تبادلہ خیال ہوتا تھا اور دونوں ایک دوسرے کا حال پوچھتے تھے ﴿۲۰﴾۔ایک مرتبہ شیخ ترمذی نے اپنی تمام تصانیف دریا برد کیں ،لیکن حضرت خضر نے انھیں دریا سے نکال کر ان کی خدمت میں پیش کیا اور کہا بہتر ہے آپ ان سے شغل رکھیں ﴿۲۱﴾۔شیخ ابوبکر وراق کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ حکیم ترمذی نے اپنی تصانیف کے کچھ

﴿۱۵﴾ شیخ عبدالرؤف المناوی۔الکواکب الدریہ،تصحیح وتعلیق محمود حسن ربیع،مصر ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء ۱:۴۷۱،۲۰۴ ابوعلی بن عثمان الجلالی الہجویری۔کشف المحجوب نسخہ تہران تصحیح وتحشیہ علی قویم،مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان، اسلام آباد ۱۹۷۸ء ص ۹۷

﴿۱۶﴾ ابواسماء ابراہیم بن یزید بن شریک التیمی الکوفی کوفہ کے عابد تھے۔حدیث میں ثقہ ہیں۔دیکھیے: الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی۔تقریب التہذیب،تحقیق وتعلیق ابوالاشبال صغیر احمد،دیوبند،الطبعۃ الاولی ۲۰۰۷ء ص ۱۱۸،لواقح الانوار ۱:۴۱

﴿۱۷﴾ احیاء علوم الدین ۱:۳۴۶،الکواکب الدریہ ۱:۴۷،الزہر النضر ص ۱۴۸

﴿۱۸﴾ ابومحمد عبدالاحد،اوراد الصوفیا خلافت پریس بمبی ص ص ۱۶۔۱۷،تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۱۰۳

﴿۱۹﴾ مؤدب الاولیاء شیخ ابوبکر وراق کا اصلی نام محمد بن عمر ہے۔آپ ترمذ کے رہنے والے تھے۔آپ کا مزار بھی ترمذ میں ہے۔ تذکرۃ الاولیاء باب ۵۹ ص ص ۲۹۱۔۲۹۴ لواقح الانوار ۱:۹۱۔۹۲ نفحات الانس ص ۸۰۔۸۱

﴿۲۰﴾ کشف المحجوب ص ۱۲۹،سفینۃ الاولیاء ص ۱۲۹

﴿۲۱﴾ تذکرۃ الاولیاء ۲:۷۹،سفینۃ الاولیاء ۱۲۹

اجزا مجھے دئے اور کہا کہ انھیں جیحوں میں پھینک آؤ۔ میں نے ان اجزا کو دیکھا تو ان میں لطائف وحقائق تھے۔ میرا دل نہ مانا کہ انھیں دریا برد کردوں، میں نے انھیں گھر میں رکھا اور ان سے کہا کہ انھیں دریا میں پھینک دیا، انھوں نے کہا کہ تم نے کیا دیکھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں۔ انھوں نے کہا تم نے نہیں پھینکی ہیں، جاؤ پھینک آؤ۔ میں نے وہ اجزا دریا میں پھینک دیئے۔ پانی دوٹکڑے ہوگیا اور اس میں سے ایک صندوق برآمد ہوا جس کا ڈھکنا کھلا ہوا تھا۔ وہ اجزا صندوق کے اندر جا پڑے اور ڈھکنا بند ہوگیا۔ پانی آپس میں مل گیا اور صندوق نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ میں نے واپس آکر شیخ ترمذی کو سارا واقعہ سنایا۔ انھوں نے کہا ہاں اب تم نے پھینک دی ہیں۔ جب میں نے پوچھا کہ آخر یہ کیا راز ہے؟ انھوں نے بتایا کہ میں نے صوفیا کے علم کے بارے میں کچھ چیزیں تصنیف کی تھیں لیکن جن کا سمجھنا مشکل تھا۔ بھائی خضر نے مجھ سے یہ تصانیف طلب کیں۔ وہ صندوق مچھلی تھی جو ان کے حکم سے آئی تھی، اللہ تعالیٰ نے پانی کو حکم دیا تھا کہ انھیں ان تک پہنچادے ﴿۲۲﴾

مظفر جصاص کہتے ہیں کہ میں اور نصر خراط نے ایک رات ایک جگہ علمی مذاکرہ کیا۔ خراط نے کہا کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ ابتداءِ ذکر میں یہ معلوم کرتا ہے کہ اللہ نے اسے یاد کیا ہے۔ میں نے ان سے اختلاف کیا، تو خراط نے کہا کہ اگر خضر یہاں ہوتے، تو میری بات کی تصدیق کرتے۔ اس دوران کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک بوڑھا شخص چلا آرہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس پہنچ گیا۔ سلام کیا اور کہا کہ اس نے سچی بات کہہ دی۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا اس لیے اللہ کا ذکر کرتا ہے کہ اللہ نے اسے یاد کیا ہے، ہم جان گئے کہ یہ خضر علیہ السلام ہیں ﴿۲۳﴾

﴿۲۲﴾ تذکرۃ الاولیاء ۲: ۷۸۔۷۹

﴿۲۳﴾ الرسالۃ القشیریہ ۲: ۷۰۳

تصوف کی کتابوں میں حضرت خضر کے بارے میں جو واقعات منقول ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر کو سفر اور صحرانوردی کے دوران علمی مجلسوں کے متعلق آگاہی ہوتی ہے۔ ایک صوفی نے حضرت خضر سے پوچھا کیا تم نے اپنے سے برتر کسی کو دیکھا ہے؟ انھوں نے جواب دیا "ہاں"۔ عبدالرزاق بن ہمام (۱۲۶۔۲۱۱ھ/۷۴۴۔۸۲۷ء) ﴿۲۴﴾ مدینہ منورہ میں حدیث کا درس دے رہے تھے اور لوگ ان کے اردگرد تھے۔ میں نے ایک جوان کو دیکھا جو اپنا سر زانوؤں پر رکھے ہوئے تھا۔ میں نے اس سے کہا "عبدالرزاق بن ہمام حدیث کی روایت کرتے ہیں، تم کیوں نہیں سنتے؟" اس نے جواب دیا "وہ میت سے روایت کرتا ہے اور میں غائب نہیں ہوں"۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اگر واقعی آپ کو یہ مقام حاصل ہے تو بتائیے میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا "بھائی تم ابوالعباس خضر ہو"۔ پس میں جان گیا کہ اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جنہیں میں نہیں جانتا ﴿۲۵﴾

حضرت خضر سے ملاقات کرنے والے بزرگ بعض اوقات ان سے مختلف امور کے متعلق استفسار کرتے ہیں۔ ایک بزرگ کا بیان ہے کہ میں بنی اسرائیل کے جنگل (تیہ بنی اسرائیل جس میں حضرت موسیٰ اور ان کی قوم راستہ بھول گئی تھی) میں تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی میرے ساتھ چل رہا ہے۔ مجھے ان سے حیرت ہوئی۔ پھر خیال آیا کہ حضرت خضر ہوں گے۔ میں نے اللہ کی قسم دے کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا "میں آپ کا بھائی خضر ہوں"۔ میں نے ان سے کہا کہ میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے جواب دیا "پوچھ لو"۔ میں نے کہا "آپ امام شافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ/۷۶۷۔۸۲۰ء) ﴿۲۶﴾

﴿۲۴﴾ یمن کے مشہور محدث اور حافظ حدیث، حافظ ذہبی نے انھیں خزانۃ العلم کہا ہے۔ الاعلام۔۴:۱۲۶

﴿۲۵﴾ الرسالۃ القشیریہ ۲:۶۸۵، لفظی تغیر کے ساتھ یہ واقعہ مولانا جامی نے بھی نقل کیا ہے۔ لیکن درس حدیث کا مقام مدینہ منورہ کے بجائے جامع صنعاء دیا ہے۔ دیکھیے نفحات الانس ص ص ۱۱۳۔۱۱۴

﴿۲۶﴾ ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی، شافعی مسلک کے امام، فقہ شافعی کے موسس اور قرآن و حدیث کے ماہر ہیں۔ ائمہ اربعہ میں شمار ہوتے ہیں۔ دیکھیے تذکرۃ الحفاظ ۱:۳۲۹، وفیات الاعیان ۴:۱۶۳، لوائح الانوار ۱:۵۰

کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟'' انھوں نے کہا کہ وہ اوتاد میں سے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ امام احمد بن حنبل (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء) ﴿۲۷﴾ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا ''وہ صدیق ہیں''۔ میں نے سوال کیا۔ بشر بن الحارث الحافی (۱۵۰۔۲۲۷ھ/۷۶۷۔۸۴۱ء) ﴿۲۸﴾ کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ان کے بعد ان کا ہمسر پیدا نہ ہوا۔ میں نے سوال کیا کہ مجھے آپ کی زیارت کس وجہ سے نصیب ہوئی۔ فرمایا ''والدہ کی تابعداری کرنے سے'' ﴿۲۹﴾

سفر میں مشائخ کا ساتھ دینا اور ان کی مدد کرنا حضرت خضر کا معمول رہا ہے۔ شیخ ابراہیم خواص (المتوفی ۲۹۱ھ۔۹۰۴ء) ﴿۳۰﴾ کہتے ہیں کہ میں صحرا میں ایک جگہ غمزدہ بیٹھا تھا اور مجھ پر کئی اوقات کا فاقہ تھا۔ اسی حالت میں میں نے حضرت خضرؑ کو ہوا میں (فضا میں) گزرتے دیکھا۔ میں نے سر جھکا لیا اور نگاہیں پھیر لیں۔ ان کی طرف نہیں دیکھا، جب انھوں نے مجھے دیکھا تو میرے پہلو میں بیٹھ گئے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا تو فرمایا ''اے ابراہیم! اگر تو نے

﴿۲۷﴾ ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی، مشہور محدث، فقہ حنبلی کے امام، زہد و ورع میں عدیم المثال اور صبر واستقامت میں پہاڑ تھے۔ فتنہ خلق قرآں کے معاملے میں آپ نے جس عزیمت کا مظاہرہ کیا۔ اس پر مشہور محدث علی بن مدینی نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو دو شخصوں کے ذریعے عزت دی۔ ارتداد کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق کے ذریعے اور فتنہ خلق قرآں کے موقع پر حضرت امام احمد بن حنبل کے ذریعے۔ حدیث میں آپ کی ''المسند'' مشہور ہے۔ لواقح الانوار ۱:۵۴

﴿۲۸﴾ ابونصر بشر بن حارث بن علی بن عبدالرحمٰن المعروف بہ، الحافی تقویٰ اور پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ انھیں تمام محدثین نے ثقہ مانا ہے۔ آپ کا انتقال بغداد میں ہوا۔ جنازہ میں لوگوں کا اس قدر ازدحام تھا کہ فجر کی نماز ختم ہوتے ہی تابوت گھر سے روانہ ہوا اور رات کو قبرستان پہنچا۔ ان کی موت پر ان کے مکان میں جنات نے بھی ماتم کیا۔ دیکھیے البدایہ والنہایہ ۱:۲۹۷، لواقح الانوار ۱:۷۲

﴿۲۹﴾ الرسالۃ القشیریہ ۱:۶۹۔۷۰، الکواکب الدریہ ۱:۲۱۱، الاصابہ ۲:۳۳۰۔۳۳۱

﴿۳۰﴾ شیخ ابو اسحاق ابراہیم خواص کا وطن بغداد تھا۔ حضرت جنید بغدادی کے ہم نشین تھے۔ آپ کا شمار اصحاب صحو میں ہوتا ہے۔ آپ کا مزار اصفہان کے ایک مقام پر ہے۔ دیکھیے: سفینۃ الاولیاء ص ۳۶، لواقح الانوار ۱:۹۷

مجھے نہ دیکھا ہوتا تو میں تیرے پاس نہ آتا'' ﴿۳۱﴾۔شیخ کا بیان ہے کہ ایک سفر میں مجھے پیاس لگی اور میں پیاس سے نڈھال ہوکر گر گیا۔اس دوران میں نے دیکھا کہ میرے چہرے پر کوئی پانی چھڑک رہا ہے۔آنکھ کھولی تو دیکھا کہ ایک خوبرو انسان گھوڑے پر سوار ہے۔اس نے مجھے پانی پلایا اور کہا کہ میرے پیچھے سواری پر سوار ہو جاؤ۔اس وقت میں حجاز میں تھا۔کچھ دیر کے بعد اس نے مجھ سے کہا، کیا نظر آتا ہے؟ میں نے کہا ''مدینہ'' اس نے کہا ''اتر جاؤ اور رسول اللہ ﷺ سے میرا اسلام کہنا کہ آپ کا بھائی حضرت خضر سلام عرض کرتا ہے ﴿۳۲﴾

ابو بکر الہمدانی (المتوفی ۳۱۶ھ۔ ۹۲۸ء) ﴿۳۳﴾ کا بیان ہے کہ میں کئی روز تک حجاز کے جنگل میں رہا۔ میں نے ان دنوں میں کچھ نہیں کھایا تھا۔ مجھے گرم پھلیوں اور باب الطاق (بغداد کے ایک محلّہ کا نام) کی روٹی کی خواہش ہوئی۔مگر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں جنگل میں ہوں۔میرے اور عراق کے درمیان بڑا فاصلہ ہے۔میں اسی خیال میں تھا کہ دور سے ایک بدوی پکار رہا تھا'' گرم پھلیاں اور روٹی''میں اس کی طرف بڑھا اور کہا کیا تمہارے پاس گرم پھلیاں اور روٹی ہے؟ اس نے کہا''ہاں''اس نے وہ چادر جو اس کے اوپر تھی کھولی اور روٹی اور پھلیاں نکالیں اور مجھ سے کہا'' کھاؤ''میں نے کھائیں، اس نے پھر کہا'' کھاؤ'' میں نے کھائیں۔جب اُس نے مجھ سے چوتھی بار کہا تو میں نے کہا تمہیں خدا کی قسم جس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے، تم کون ہو؟ اس نے کہا''میں خضر ہوں''اس کے بعد وہ غائب ہو گیا اور مجھے نظر نہ آیا ﴿۳۴﴾

﴿۳۱﴾ اللمع ص ۲۴۴

﴿۳۲﴾ الرسالۃ القشیریہ ۲:۵۰۳ے

﴿۳۳﴾ ابو بکر محمد بن الحسین بن احمد الہمذانی ثقہ راوی ہیں۔مولانا جامی نے ان کا تذکرہ چند سطروں میں ''شیخ ابو بکر ہمدانی'' کے زیرِ عنوان کیا ہے۔

﴿۳۴﴾ الرسالۃ القشیریہ ۲:۱۱ے

سفر میں بھٹکے ہوئے مسافروں کی رہنمائی کے علاوہ حضرت خضر بیماروں کے علاج کے لیے بھی مناسب مشورے دیتے ہیں۔ شیخ احمد بن ابی الحواری (المتوفی ۲۳۲ھ/۸۴۶ء) ﴿۳۵﴾ کہتے ہیں کہ محمد بن سماک (المتوفی ۱۸۳ھ/۷۹۹ء) ﴿۳۶﴾ بیمار پڑ گئے اور ہم آپ کا قارورہ لے کر طبیب کے پاس گئے۔ طبیب عیسائی تھا۔ ابھی ہم حیرہ اور کوفہ کے درمیان تھے کہ خوشبو سے معطر اور صاف ستھرے کپڑے زیب تن کیے ایک خوبصورت شخص ملا۔ اس نے ہم سے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے کہا کہ فلاں طبیب کے پاس ابن سماک کا قارورہ دکھانے جا رہے ہیں۔ اس نے کہا "سبحان اللہ تم ایک خدا دوست کے لیے خدا دشمن کی مدد چاہتے ہو۔ اسے زمین پر دے مارو اور جا کر ابن سماک سے کہو کہ درد کی جگہ پر ہاتھ رکھ کر پڑھے: وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ط (سورہ بنی اسرائیل: ۱۰۵)

"اس (قرآن) کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور حق ہی کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے۔"

اس کے بعد وہ شخص غائب ہو گیا، ہم نے اسے نہیں دیکھا۔ ہم ابن سماک کے پاس واپس آ گئے اور ان سے واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے درد کے مقام پر ہاتھ رکھ کر وہی الفاظ پڑھے جو اُس شخص نے بتلائے تھے۔ انھیں اسی وقت آرام آ گیا، پھر فرمایا کہ وہ خضر علیہ السلام تھے ﴿۳۷﴾۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی (۸۹۸۔۹۷۳ھ/۱۴۹۲۔۱۵۶۵ء) ﴿۳۸﴾ کے بیان کے مطابق حضرت خضر مشائخ سے بہ حالت بیداری ملاقات کرتے ہیں۔ اور مریدوں کو خواب

﴿۳۵﴾ شیخ ابوالحسن احمد بن الحواری کا مولد و مسکن دمشق ہے۔ شیخ ابوسلیمان دارانی کے مرید تھے۔ پورا خاندان عبادت گزار رہا ہے۔ سفینۃ الاولیاء ص ۱۲۵ لواقح الانوار ۱: ۸۲

﴿۳۶﴾ ابوالعباس محمد صبیح المشہور بہ ابن سماک، حضرت سفیان ثوری کے صحبت یافتہ زاہد گزرے ہیں۔ آپ کا شمار اولیائے متقدمین میں ہوتا ہے۔ آپ کی وفات کوفہ میں ہوئی۔ سفینۃ الاولیاء ص ۱۲۲

﴿۳۷﴾ الرسالۃ القشیریہ ۲: ۷۰۵۔۷۰۶

﴿۳۸﴾ شیخ عبدالوہاب شعرانی۔ کثیر التصانیف، صوفی عالم اور شیخ ابن عربی کے افکار کے ترجمان ہیں۔ قاہرہ میں انتقال کیا۔ معجم المؤلفین ۶: ۲۱۸

میں آکر تصوف کی تعلیم دیتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ بہ حالت بیداری حضرت خضر کے دیدار کی تاب نہیں لاسکتے ﴿۳۹﴾۔ حضرت خضر سے ملاقات کے لیے ضروری ہے کہ صوفی کوئی چیز اپنے پاس دوسرے دن کے لیے ذخیرہ نہ کرتا ہو۔ اس صورت میں ولی ہوتے ہوئے بھی بیداری میں حضرت خضر سے ملاقات ناممکن ہے۔ شیخ ابوعبداللہ السیری (تیسری صدی) ﴿۴۰﴾ کے ساتھ حضرت خضر کی طویل ملاقاتیں ہوتی تھیں لیکن اچانک انہوں نے ملنا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد حضرت خضر انھیں خواب میں دکھائی دیے۔ ابوعبداللہ السیری نے ان سے پوچھا کہ حالت بیداری میں آپ ملاقات کرنے کیوں نہیں آتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس آدمی کی صحبت میں نہیں رہتے جو کل کے لیے کوئی چیز موجود رکھے، کیا تم نے فلاں وقت اپنی بیوی سے نہیں کہا تھا کہ یہ درہم کل کے لیے موجود رکھ لو۔ شیخ نے جواب دیا "ہاں یہ صحیح ہے" ﴿۴۱﴾

صوفیا کے یہاں حضرت خضر سے ملاقات کرنے کی آرزو ہر دور میں رہی ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء (۶۴۵ـ۷۲۵ھ/۱۲۴۷ـ۱۳۲۴ء) ﴿۴۲﴾ نے ایک خاص نماز صلوٰۃ الخضر کا ذکر کیا ہے۔ جو دس رکعات پر مشتمل ہوتی ہے۔ صلوٰۃ الخضر پانچ سلاموں کے ساتھ ظہر کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اس میں قرآن مجید کی آخری دس سورتیں پڑھی جاتی ہیں ﴿۴۳﴾۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا کہنا ہے کہ جو شخص اس نماز کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے رہے گا، اس کی ملاقات حضرت خضر کے ساتھ ضرور ہوگی ﴿۴۴﴾۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے آبائی قصبہ اوش

﴿۳۹﴾ شیخ عبدالوہاب شعرانی۔ تنبیہ المغترین، المطبعۃ المیمنیہ مصر ۱۳۱۰ھ/۱۳۲۴ھ ص ۵۴

﴿۴۰﴾ ابوعبداللہ السیری کا شمار قدیم مشائخ میں ہوتا ہے آپ شیخ ابوتراب بخشی کی صحبت میں رہے ہیں۔ لوائح الانوار ۱:۹۰

﴿۴۱﴾ تنبیہ المغترین ص ۵۴

﴿۴۲﴾ شیخ احمد بن محمد بن دانیال بدایونی المعروف بہ نظام الدین اولیاء سلسلہ چشتیہ کے مشہور صوفی تھے۔ آپ کا مزار دہلی میں مرجع خاص وعام ہے۔ آپ کے ملفوظات "فوائد الفواد" کے نام سے جمع کیے گئے ہیں۔ سفینۃ الاولیاء ص ۹۷

﴿۴۳﴾ امیر حسن علاء سجزی۔ فوائد الفواد، مطبع نولکشور لکھنؤ۔ بار چہارم ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء ص ۲۱

﴿۴۴﴾ فوائد الفواد ص ۲۱

میں ایک غیر آباد مسجد تھی، اس مسجد میں ایک منارہ تھا جسے ہفت منارہ کہتے تھے۔ اس مسجد کے بارے میں لوگوں کا کہنا تھا کہ جو کوئی بھی اس مسجد میں ایک مخصوص دوگانہ ادا کرے اور ایک دعا ہفت دعا پڑھے، اس کی ملاقات حضرت خضر سے ہوتی ہے ﴿۴۵﴾۔ خواجہ بختیار کاکی سے کہا گیا کہ جو شخص منارہ کے اوپر ہفت دعا پڑھتا تھا، اسے خضر کی ملاقات نصیب ہوگی۔ خواجہ کو اشتیاق ہوا۔ انہوں نے ماہ رمضان کی ایک رات اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور منارہ پر جا کر مذکورہ دعا پڑھ کر نیچے اُتر آئے۔ تھوڑی دیر انتظار کیا مگر کوئی شخص ظاہر نہیں ہوا۔ مایوسی کی حالت میں گھر لوٹنے لگے۔ مسجد کے باہر ایک شخص ملا۔ اس نے خواجہ سے پوچھا کہ تم اتنی دیر یہاں کیا کر رہے ہو؟ خواجہ نے اپنا مدعا بیان کیا، تو اس شخص نے کہا خضر تو خود سرگردان ہے، اس سے مل کر تمہیں کیا ملے گا؟ کیا کوئی حاجت ہے؟ خواجہ نے جواب دیا ''نہیں''۔ اس شخص نے پوچھا تو کیا تمہارے اوپر کوئی قرضہ ہے؟ خواجہ نے جواب دیا ''نہیں صرف ملاقات کی آرزو ہے''۔ اس شخص نے کہا ''اسی شہر میں ایک بزرگ ہیں، جن کی ملاقات کو خضر بارہ مرتبہ ان کے پاس گئے، لیکن انھوں نے دروازہ نہیں کھولا''۔ اتنے میں ایک نورانی صورت پاک جامہ بزرگ نمودار ہوئے۔ تو پہلے شخص نے انہیں سلام کیا اور خواجہ بختیار کاکی کے بارے میں ان سے کہا ''ان کے اوپر نہ تو کوئی قرضہ ہے اور نہ ہی یہ دنیا کے طلب گار ہیں۔ انہیں بس آپ سے ملاقات کی آرزو ہے۔ اسی اثناء میں اذان ہوئی تو ادھر اُدھر بہت سے صوفیا جمع ہو گئے، اور مسجد میں نماز تراویح کی جماعت کھڑی ہوگئی۔ بزرگ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی، تراویح میں بارہ پارے قرأت کی، لیکن امام کسی کو نظر نہ آئے۔ نماز ختم ہوئی اور سب لوگ چلے گئے۔ یہ بزرگ حضرت خضر تھے۔ اس طرح خواجہ بختیار کاکی کو حضرت خضر کی ملاقات نصیب ہوئی ﴿۴۶﴾

﴿۴۵﴾ فوائد الفواد ص ۲۱، سید محمد مبارک علوی کرمانی (میر خورد) سیر الاولیاء، اسلام آباد/لاہور ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء ص ۶۱

﴿۴۶﴾ فوائد الفواد ص ۱۲۳-۱۲۴، سیر الاولیاء ص ۶۱

حضرت خضر کے ساتھ ملاقات کرنا اور ان کی صحبت رکھنا ہر دور میں صوفی کے دل کی آرزو رہی ہے۔ شیخ ابوبکر کتانی (المتوفیٰ ۳۲۲/۹۳۴) ﴿۴۷﴾ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ حضرت خضر کے مصاحبین میں سے تھے ﴿۴۸﴾۔ شیخ ابراہیم خواص بھی حضرت خضر کے ہم صحبت رہے ہیں ﴿۴۹﴾۔ تاہم تصوف میں ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے جب حضرت خضر کی صحبت کو بھی توکل کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ شیخ ابراہیم خواص سے کہا گیا کہ اپنے سفروں کے دوران آپ نے سب سے عجیب چیز جو دیکھی ہے اس کے بارے میں کچھ بتائیں۔ انھوں نے جواب دیا "حضرت خضر نے مجھ سے ملاقات کی اور کہا کہ میں سفر میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ میں نے اس بناپر انکار کیا کہ کہیں سفر میں ان (پر اعتماد کرنے) سے سکون پاکر میرا توکل مجروح نہ ہو جائے ﴿۵۰﴾۔ شیخ ابوبکر ہلالی (وفات نامعلوم) ﴿۵۱﴾ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ انھیں خضر کا دیدار نصیب ہو جائے۔ ایک مدت بعد حضرت خضر نے ان کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے آواز آئی "کون ہو"؟ حضرت خضرؑ نے جواب دیا "میں خضر ہوں جس سے تم ملنے کے خواہش مند تھے۔" شیخ نے جواب دیا "جس کے لیے تلاش کیا تھا اسے ہم نے پایا، سلامتی کے ساتھ واپس جاؤ" ﴿۵۲﴾

بعض بزرگ حضرت خضرؑ کو "خلافِ توکل" زندگی گزارنے پر تنبیہ بھی کرتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء کا بیان ہے کہ ایک بزرگ نے پانی پر مصلے بچھایا تھا اور نماز پڑھ کر یہ دعا

﴿۴۷﴾ محمد علی بن جعفر بغدادی، ابوبکر کتانی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا شمار صوفیا کے طبقہ چہارم میں ہوتا ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کی صحبت میں رہے۔ بعد میں برسوں مکہ معظمہ میں رہے اور وہیں انتقال کیا۔ دیکھیے: سفینۃ الاولیاء ص۱۴۵، لوائح الانوار ۱:۱۱۰

﴿۴۸﴾ سفینۃ الاولیاء ص۱۳۶

﴿۴۹﴾ سفینۃ الاولیاء ص۳۶

﴿۵۰﴾ الرسالۃ القشیریہ ۱:۶، ۲۷۶، ۳۷۶، کشف المحجوب ص۱۳۹

﴿۵۱﴾ شیخ ابوبکر ہلالی کا سال وفات معلوم نہ ہوسکا۔

﴿۵۲﴾ الکواکب الدریہ ۱:۲۰۴

مانگ رہا تھا کہ ''اے خدا خضرؑ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر رہے ہیں انھیں توبہ کی توفیق بخش''۔ اسی اثناء میں حضرت خضر حاضر ہوئے۔ انھوں نے کہا: میں نے کیا گناہ کبیرہ کیا ہے کہ اس سے توبہ کروں۔ بزرگ نے کہا: ''تم نے بیابان میں ایک درخت لگایا ہے اس کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور کہتے ہو کہ میں نے یہ کام خدا کے لیے کیا ہے''۔ حضرت خضر نے استغفار کیا۔ بعد ازاں بزرگ نے ترکِ دنیا کا ذکر کرتے ہوئے حضرت خضر سے کہا کہ اس طرح رہا کرو جس طرح میں ہوں۔ حضرت خضر نے کہا آپ کس طرح رہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ بزرگ نے کہا ''میں اس طرح ہوں کہ اگر ساری دنیا مجھے دیں اور یہ کہیں کہ اس کو قبول کیجیے، آپ سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا اور یہ بھی کہیں کہ اگر قبول نہیں کرو گے تو تمھیں دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ میں دوزخ قبول کروں گا، دنیا قبول نہیں کروں گا۔'' حضرت خضرؑ نے پوچھا کیوں؟ بزرگ نے جواب دیا۔ ''دنیا اللہ تعالیٰ کی مبغوض ہے، وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ دشمن رکھتا ہے، میں اس کے بدلے دوزخ قبول کروں گا اسے قبول نہیں کروں گا'' ﴿۵۳﴾

حضرت خضر کی شناخت صوفیا کے یہاں دشوار نہیں ہے۔ بعض بزرگ انھیں دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ۴۷۱۔۵۶۱ھ/۱۰۷۸۔۱۱۶۶ء) ﴿۵۴﴾ ایک روز منبر پر علوم و معارف بیان کر رہے تھے کہ وہاں سے حضرت خضر گزرے۔ انھیں دیکھ کر شیخ جیلانی نے کہا ''اے اسرائیلی آؤ اور ایک محمدی کا کلام سن لو'' ﴿۵۵﴾

﴿۵۳﴾ فوائد الفواد ص ص ۸۲۔۸۳ سید مظفر علی شاہ، جواہر غیبی، مطبع نولکشور ۱۸۹۸ء ص ۳۵۶

﴿۵۴﴾ ابو محمد عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ بن جنگی دوست طبرستان کے مضافات میں واقع جیلان نامی مقام پر پیدا ہوئے۔ علوم ظاہری و باطنی بغداد میں حاصل کیے۔ ان کی تصنیف میں غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب اور الفتح الربانی مشہور ہیں۔ سلسلہ قادریہ کے بانی ہیں۔ آپ کا مزار بغداد میں ہے۔ سفینۃ الاولیاء ص ۴۳

﴿۵۵﴾ مجدد الف ثانی، المنتخبات من المکتوبات (مکتوب ۵۶) استنبول۔ ترکی ص ۱۵۱، بعض علماء کے نزدیک یہ کلام حضرت خضر کے اسرائیلی ہونے کی دلیل ہے۔ لیکن یہ رائے محل نظر ہے کیونکہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث تھے اور حضرت خضر اُن کے متبعین میں سے نہیں تھے۔ دیکھیے مجموع فتاوی ۱۱:۴۲۵، ۶۰۷ عبداللہ بن شوذب کا قول ہے کہ ''خضر اولاد فارس سے اور الیاس بنی اسرائیل سے ہیں۔'' دیکھیے قصص الانبیاء المسمی بالعرائس ص ۲۴۱ تاریخ الطبری ۱:۲۲۰ الکامل فی التاریخ ۱:۱۶۰

بعض عارفین نے ان کی شناخت کی نشانی یہ بتائی ہے کہ ان کے ہاتھ کی بیچ والی انگلی دوسرے لوگوں کی طرح لمبی نہیں بلکہ انگشت شہادت کے برابر ہے۔ ایک اور رائے یہ ہے کہ ان کے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں ہڈی نہیں ہے۔ چنانچہ مصافحہ کرتے وقت جو لوگ ملاقاتی کا انگوٹھا دبا لیتے ہیں وہ حضرت خضر کی شناخت کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

تاریخ و سیر اور تصوف کی کتابوں میں حضرت خضر کے خدوخال اور ان کے اخلاق وعادات کے بارے میں جو تفصیلات ملتی ہیں، ان کے مطابق حضرت خضر دراز قامت، کبیر قامت، اور باریک سر ہیں ﴿۵۶﴾۔ سر اور داڑھی کے بال سفید ہیں، ان کے جسم کی ہڈیاں بڑی بڑی، شانے چوڑے اور سینہ کشادہ ہے ﴿۵۷﴾۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت خضر بلند قامت، امردوش سبزی مائل، دراز مو، تنگ عارض، کشادہ ابرو، ہاتھ پاؤں قدرے سخت، نرم خو، غمزہ بسام، کم التفات، سبک گام، کوتاہ جامہ، کہنہ دستار، درشت جامہ، بے تکلف اور بے رعونت اچانک نمودار ہوتے ہیں، معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں سے آئے۔ اس طرح غائب ہوجاتے ہیں کہ پتہ نہیں چلتا کہاں گئے ﴿۵۸﴾۔ آں حضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے ہر پانچ سو سال بعد حضرت خضر کے نئے دانت نکل آتے تھے۔ بعثت نبوی ﷺ کے بعد سے ہر ایک سو بیس سال کی مدت کے بعد ان کے نئے دانت نکل آتے ہیں ﴿۵۹﴾۔ چنانچہ ۷۲۱ھ (جو کہ علاء الدین سمنانی کی عروہ کا زمانہ تالیف ہے) حضرت خضر کے دانتوں کی تجدید کا سال تھا ﴿۶۰﴾

﴿۵۶﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۲۹

﴿۵۷﴾ الاصابہ ۲: ۳۱۱

﴿۵۸﴾ جواہر غیبی، کنز چہارم ص ۳۵۲

﴿۵۹﴾ رسالہ ابدالیہ ص ص ۳۲-۳۳، مراۃ الاسرار ۱: ۳۵

﴿۶۰﴾ مراۃ الاسرار ۱: ۳۵

صوفیا کے بیان کے مطابق حضرت خضر جب بیمار ہوتے ہیں تو خود اپنا علاج کرتے ہیں ﴿۶۱﴾۔ صاحب مراۃ الاسرار کے مطابق ایک مرتبہ مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شتربانوں میں لڑائی ہوئی۔ حضرت خضر بیچ میں تھے۔ ایک پتھر ان کے سر پر آ لگا جس سے وہ زخمی ہوئے اور تین ماہ تکلیف میں مبتلا رہ کر ٹھیک ہوئے ﴿۶۲﴾

حضرت خضر کا لباس ایک ازار اور ایک چادر ہے، جو کبھی بوسیدہ نہیں ہوتے ﴿۶۳﴾۔ ایک روایت کے مطابق وہ محرم کے دو موٹے کپڑوں میں ملبوس ہوتے ہیں ﴿۶۴﴾

حضرت خضر بہ کثرت مراقبہ کرتے ہیں۔ وقار و تمکنت کے ساتھ رہتے ہیں ﴿۶۵﴾۔ خوش اخلاق، جوانمرد ہیں، تمام لوگوں پر مشفق ہیں ﴿۶۶﴾۔ لوگوں کو نقدی اور قیمتی کپڑے عطیات میں دیتے ہیں ﴿۶۷﴾۔ بہت سے علوم میں درک رکھتے ہیں ﴿۶۸﴾۔ بہ طور کرامت علم کیمیا سے بھی واقف ہیں ﴿۶۹﴾۔ زمین کے تمام خزانے (دفینے) آپ کو معلوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مطابق اہل حاجت پر سخاوت کرتے ہیں۔ مقروض لوگوں کی مدد کرتے ہیں البتہ اپنی ذات کے لیے یا اپنے ان دس ساتھیوں کے لیے جو ان کے ہمراہ ہوتے ہیں۔ ان خزانوں میں کوئی تصرف نہیں کرتے ﴿۷۰﴾۔ صوفیا کا بیان ہے کہ حضرت خضر بازار میں گھوم کر کوئی چیز خریدتے ہیں اور پھر اسے بیچتے ہیں ﴿۷۱﴾۔ وہ دلالوں کے بھیس میں ہوتے ہیں اور دلالی کر کے اجرت لیتے ہیں ﴿۷۲﴾

﴿۶۱﴾ مراۃ الاسرار ۱:۳۵، رسالہ ابدالیہ ص ۳۲
﴿۶۲﴾ مراۃ الاسرار ۱:۳۵
﴿۶۳﴾ الکواکب الدریہ ۱:۲۳۹
﴿۶۴﴾ الاصابہ ۲:۳۱۱
﴿۶۵﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۰
﴿۶۶﴾ مراۃ الاسرار ۱:۳۵
﴿۶۷﴾ مراۃ الاسرار ۱:۳۵
﴿۶۸﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۰
﴿۶۹﴾ مراۃ الاسرار ۱:۳۵
﴿۷۰﴾ مراۃ الاسرار ۱:۳۵
﴿۷۱﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۳
﴿۷۲﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۳ مراۃ الاسرار ۱:۳۵

اہل حال کے مطابق حضرت خضر اچھی آواز کو پسند کرتے ہیں۔ مجلس سماع میں بہ امر حق تعالیٰ حاضر ہو کر رقص کرتے ہیں اور وجد کرتے ہیں۔ ایک دن رات یا اس سے زیادہ وجد کی حالت میں رہتے ہیں ﴿۷۳﴾۔ چنانچہ صوفیا میں مشہور ہے کہ حضرت خضر اکثر نظام الدین اولیاؒء کی مجلس سماع میں حاضر ہو کر ان کا ساتھ دیتے تھے ﴿۷۴﴾

ایک بیان کے مطابق حضرت خضر بیت المقدس میں باب الرحمہ اور باب الاسباط کے درمیان رہتے ہیں ﴿۷۵﴾۔ جب کہ ایک دوسرے قول میں کہا گیا ہے کہ حضرت خضر وحضرت الیاس بیت المقدس میں ماہ رمضان کے روزے گزارتے ہیں ﴿۷۶﴾۔ وہ ہر جمعہ کی نماز پانچ مسجدوں، مسجد الحرام، مسجد نبوی، مدینہ طیبہ، مسجد اقصیٰ اور مسجد قبا میں ادا کرتے ہیں، جمعہ کی رات جبل طور کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں ﴿۷۷﴾۔ بخارا کے مشائخ کا بیان ہے کہ ماہ رجب کی پہلی جمعہ کو حضرت خضر بخارا میں ہوتے ہیں۔ اس خوشی میں بخارا اور سمرقند والے عید مناتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور اس امید میں ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تاکہ حضرت خضر کو پاسکیں ﴿۷۸﴾

ایک بیان میں آیا ہے کہ حضرت خضر ہر جمعہ کو سانپ کی چھتری اور اجوائن کے دو لقمے کھاتے ہیں، مکہ میں چاہ زمزم اور بیت المقدس میں واقع حوض سلیمان سے پانی لیتے ہیں، اور سلوان کے چشمے میں نہاتے ہیں ﴿۷۹﴾۔ حضرت خضر اور حضرت الیاس ہر رات ذوالقرنین

﴿۷۳﴾ مراۃ الاسرار ۱:۳۵ رسالہ ابدالیہ ص ۳۳

﴿۷۴﴾ مراۃ الاسرار ۱:۳۵۔۳۶

﴿۷۵﴾ تاریخ الخمیس ۱:۱۲۱

﴿۷۶﴾ البدایہ والنہایہ ۱:۳۳۳

﴿۷۷﴾ تاریخ الخمیس ۱:۱۲۱

﴿۷۸﴾ رسالہ ابدالیہ ص ص ۳۳۔۳۴

﴿۷۹﴾ تاریخ الخمیس ۱:۱۲۱

2073

کی بنائی ہوئی دیوار پر ملاقات کرتے ہیں۔ دونوں اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ دونوں ہر سال حج کرتے ہیں۔ دونوں کو کوئی نہیں دیکھتا سوائے اس شخص کے جسے اللہ تعالیٰ ان کی ملاقات سے فیض یاب کرنا چاہتا ہو، دونوں کی غذا سانپ کی چھتری اور اجوائن ہے﴿۸۰﴾۔ دونوں آب زمزم کا ایک گھونٹ پانی پی لیتے ہیں جو آنے والے سال کے لیے کافی ہوتا ہے﴿۸۱﴾۔ خیر المجالس میں آیا ہے کہ حضرت خضر سے پوچھا گیا کہ حضرت آپ کی غذا کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب سے میں سال میں ایک بار فضیل بن عیاض (۱۰۵۔۱۸۷ھ / ۷۲۳۔۸۰۲ء) ﴿۸۲﴾ کو دیکھتا ہوں، دوسرے سال تک غذا اور پانی کی حاجت نہیں رہتی ﴿۸۳﴾۔ بعض روایات کے مطابق حضرت خضر اور حضرت الیاس ہر سال موسم حج میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور ایک دوسرے کا سر مونڈتے ہیں﴿۸۴﴾

مولانا شیخ یعقوب چرخی کے بیان کے مطابق حضرت خضر صالحین کی زیارت کو جاتے ہیں، نماز جمعہ ادا کرتے ہیں﴿۸۵﴾ اور کلام اللہ کا استماع کرتے ہیں﴿۸۶﴾۔ نیز ہر سال دو بار اولیا کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں۔ ایک بار یہ ملاقات عرفات میں حج کے موسم میں ہوتی ہے اور دوسری بار ماہ رجب میں اس مقام پر جہاں اولیا کو جمع ہونے کے لیے کہا جاتا ہے﴿۸۷﴾

﴿۸۰﴾ تاریخ الخمیس ۱:۱۲۱ ﴿۸۱﴾ البدایہ والنہایہ ۱:۳۳۳۔۳۳۴

﴿۸۲﴾ ابوعلی فضیل ابن عیاض حدیث میں ثقہ اور زہد وتقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ سمرقند میں پیدا ہوئے۔ ابیورد میں پرورش پائی، کوفہ میں سکونت اختیار کی اور مکہ میں وفات پائی۔ امام اعظم کے دوست اور شاگرد تھے۔ امت کے جلیل القدر صلحاء میں شمار ہوتے ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ ۱:۲۲۵، سفینۃ الاولیاء ص۸۶، لوائح الانوار ۱:۶۸

﴿۸۳﴾ خیر المجالس ص۲۰۹ ﴿۸۴﴾ تاریخ الخمیس ۱:۱۲۱

﴿۸۵﴾ رسالہ ابدالیہ ص۳۳

﴿۸۶﴾ رسالہ ابدالیہ ص۳۳

﴿۸۷﴾ رسالہ ابدالیہ ص۳۳

صوفیا کے بقول حضرت خضر نے بہ کثرت نکاح کیے ہیں۔ ان کی اولاد بھی بے شمار ہے﴿۸۸﴾۔لیکن ان کے بیوی بچے ان کو نہیں پہچانتے﴿۸۹﴾۔نکاح کے وقت حضرت خضر قاضی کے سامنے اپنا نام مغرلی بتاتے ہیں﴿۹۰﴾۔لیکن بعد میں انھوں نے نکاح کرنا ترک کر دیا، ان کی اولاد بھی باقی نہیں رہی ہے﴿۹۱﴾۔ مراۃ الاسرار کے مصنف نے ''عروہ'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ اب (۷۲۱ھ/۱۳۲۱ء) سے ٹھیک ایک سو بیس سال سات ماہ پہلے حضرت خضر نے شادی کرنا ترک کیا ہے﴿۹۲﴾۔ اس لحاظ سے سنہ ۶۰۰ھ/۱۲۰۳ء کے بعد سے حضرت خضر نے کوئی نکاح نہیں کیا ہے۔ حضرت خضر بعض مشائخ کو اپنا فرزند بھی بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ صوفیا میں مشہور ہے کہ خواجہ عبد الخالق غجدوانی (التوفی ۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء)﴿۹۳﴾کو حضرت خضر نے اپنی فرزندی میں قبول فرمالیا تھا﴿۹۴﴾

حضرت خضر نزول وحی سے پہلے آں حضرت ﷺ کی صحبت میں رہتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ انھیں پہچانتے نہیں تھے﴿۹۵﴾۔ مولانا یعقوب چرخی کا بیان ہے کہ جنگ تبوک میں عصر کی نماز کے بعد دو اشعار سنے گئے لیکن صحابہ کو کسی انسان کی شکل نظر نہیں آئی۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرے بھائی خضر تھے جو آپ لوگوں کی مدح کر رہے تھے، وہ دو شعر ہیں:

﴿۸۸﴾ رسالہ ابدالیہ ص۳۲ ﴿۸۹﴾ رسالہ ابدالیہ ص۳۳

﴿۹۰﴾ رسالہ ابدالیہ ص۳۳ ﴿۹۱﴾ مراۃ الاسرار ۱:۳۵

﴿۹۲﴾ رسالہ ابدالیہ ص۳۲ مراۃ الاسرار ۱:۳۵

﴿۹۳﴾ خواجہ عبد الخالق غجدوانی بخارا کے ایک نواحی قصبہ غجدوان میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ ہوش دردم، نظر بر قدم، سفر در وطن، خلوت در انجمن، یاد کرد باز گشت، نگاہ داشت، یادداشت کے مصطلحات انھیں نے استعمال کیے۔ آپ کا مزار غجدوان میں ہے: نفحات الانس ص۳۴۲، سفینۃ الاولیا ص۷۶

﴿۹۴﴾ نفحات الانس ص۳۴۲، سفینۃ الاولیاء ص۷۶

﴿۹۵﴾ رسالہ ابدالیہ ص۳۴

فوارس ہیجاء اذا دام الیوم الیوم رھابین ظلماً اذا اللیل اللیل

رجال محاریب حرب مکسبھم لدی رامیم انفالھم الشقل

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ میں نے یہ دونوں اشعار اپنی کتاب کی پشت پر تحریر کیے تھے۔ ایک روز حضرت خضر نے دیکھا تو مسکرا کر کہا کہ یہ دونوں شعر شاعری کی طرح لوگوں میں باقی رہیں گے﴿۹۶﴾

بعض صوفیا حضرت خضر کو نقیب الاولیاء بھی کہتے ہیں۔ حضرت خضر کے ہمراہ بڑی عمر کے دس بزرگ بھی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ حضرت خضر کی خدمت کرتے ہیں۔ خاص طور پر بیماری میں ان کا بہت خیال رکھتے ہیں﴿۹۷﴾۔ اکثر حضرت خضر اقطاب وابدال کی مصاحبت میں ہوتے ہیں﴿۹۸﴾

مولانا چرخی کے بقول حضرت خضر شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہیں﴿۹۹﴾۔ نیز ان کے بیان کے مطابق حضرت خضر اور حضرت الیاس سمیت جملہ اولیاء غیب وشہادت اہل سنت والجماعت کے مذہب پر ہیں﴿۱۰۰﴾۔ مراۃ الاسرار کے مصنف کے بقول عروہ میں لکھا ہے کہ اس زمانہ (۷۲۱ھ میں جب عروہ لکھی جا رہی تھی) میں حضرت خضر قطب اور ابدال امام شافعی کے مسلک کے مطابق نماز ادا کرتے تھے﴿۱۰۱﴾

﴿۹۶﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۱

﴿۹۷﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۲۹

﴿۹۸﴾ مراۃ الاسرار ۱:۳۶

﴿۹۹﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۰

﴿۱۰۰﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۳۶

﴿۱۰۱﴾ مراۃ الاسرار ۱:۳۶، دریں زمان خضر وقطب وابدال موافق مذہب امام شافعی نمازی گذارند۔

حضرت مجدد الف ثانی (۹۷۱-۱۰۳۴ھ/۱۵۶۳-۱۶۲۴ء) ﴿۱۰۲﴾ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"بہت سے یارانِ طریقت حضرت خضر کے خیالات کی نسبت دریافت کیا کرتے تھے۔ فقیر کو ان کے بارے میں پوری پوری اطلاع نہ تھی اس لیے جواب میں توقف کیا کرتا تھا۔ آج صبح کے حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس و حضرت خضر روحانیوں کی صورت میں ظاہر ہوئے اور تلقی روحانی یعنی روحانی ملاقات سے حضرت خضر نے فرمایا کہ ہم عالم ارواح میں سے ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرتِ کاملہ عطا فرمائی ہے کہ اجسام کی صورت میں تمثل ہو کر وہ کام جو جسموں سے وقوع میں آئیں یعنی جسمانی حرکات و سکنات و جسدی طاعات و عبادات ہماری ارواح سے صادر ہوتی ہیں۔ اس اثناء میں پوچھا کہ آپ امام شافعی کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ ہم شرائع کے ساتھ مکلّف نہیں ہیں لیکن چونکہ قطب مدار کے کام ہمارے سپرد ہیں اس لیے ہم اس کے پیچھے امام شافعی کے موافق نماز ادا کرتے ہیں، اس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات فقہ شافعی کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں اور کمالاتِ نبوی کی مناسبت فقہ حنفی کے ساتھ ہے۔ اگر بالفرض اس امت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو فقہ حنفی کے موافق عمل

﴿۱۰۲﴾ شیخ احمد بن عبد الاحد کاملی سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی سرہند میں پیدا ہوئے۔ مولانا کمال کشمیری (م ۱۰۱۷/۱۶۰۸) سے سیالکوٹ میں علم حاصل کیا۔ سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ خواجہ باقی باللہ (م۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) سے بیعت ہوئے۔ بدعات اور بادشاہوں کے سامنے سجدہ تعظیمی سے انکار کیا اور وحدۃ الوجود کے نظریے کے بدلے وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کر کے برصغیر کے مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز بن گئے۔ سرہند میں دفن ہیں۔

کرتا۔اس وقت حضرت خواجہ محمد پارسا کے اس سخن کی حقیقت واضح ہوئی جوانھوں نے فصول ستہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نزول کے بعد امام اعظم کے مذہب کے موافق عمل کریں گے" ﴿۱۰۳﴾

☆☆☆

﴿۱۰۳﴾ مکتوبات امام ربانی۔مکتوب ۲۸۲ (دفتر اول حصہ پنجم مکتوب بنام بدیع الدین)

حضرت خضر اور حیات جاوداں

حضرت خضر کی حیات کے بارے میں بعض علما کی رائے ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔ اکثر علما، مورخین، محققین اور صوفیا کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو بنی نوع انسان میں طویل ترین عمر عطا کی ہے۔ طویل العمر انسانوں کی تاریخ کے مورخ ابو حاتم سجستانی کہتے ہیں:

ان اطول بنی آدم عمرا الخضر واسمه خضرون بن قابیل بن آدم علیه السلام ﴿1﴾

"بنی آدم میں سب سے طویل العمر حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ ان کا نام خضرون بن قابیل بن آدم علیہ السلام ہے۔"

اس بیان کی روشنی میں حضرت خضر کی عمر اس وقت ساڑھے پانچ ہزار سال سے زائد ہونی چاہیے۔ تورات کے مطابق قابیل آدم کے پہلے بیٹے تھے۔ ان کے بعد ہابیل پیدا ہوئے۔ حضرت آدم کے تیسرے بیٹے حضرت شیث تھے۔ جن کی پیدائش کے وقت حضرت آدم کی عمر ایک سو تیس سال تھی۔ تورات کے بیان کے مطابق قابیل کی پیدائش کے وقت حضرت آدم کی عمر ایک سو تیس سال سے زائد نہیں ہوسکتی۔ یہودیوں کی تقویم کے مطابق حضرت آدم کی تخلیق سے ۲۰۱۰ء تک ۵۷۷۱ سال گزر چکے ہیں۔

﴿1﴾ کتاب المعمرین ص ۱، الاصابہ ۲: ۲۹۱

آئرلینڈ کے آرچ بشپ جیمس آشیر نے ۱۶۵۰ء میں دعویٰ کیا کہ تخلیق کا واقعہ ۲۳ اکتوبر ۴۰۰۴ ق.م کو صبح ساڑھے نو بجے منگل کے روز ظہور پذیر ہوا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق حضرت شیث کی پیدائش سے اب تک ۵۸۸۴ سال کی مدت گزری ہے۔ تورات کے مطابق حضرت شیث کی پیدائش سے لے کر اب تک ۵۶۴۱ سال کی مدت گزر چکی ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ قابیل حضرت آدم کی تیسری اولاد حضرت شیث سے چند ہی سال بڑے تھے اور پھر ان کی اولاد کی پیدائش کے وقت سو سال فرض کی جائے تب بھی حضرت خضر یا خضرون کی عمر ساڑھے پانچ ہزار سال سے اوپر ہونی چاہیے۔

حضرت خضر کو حضرت ابراہیم کا ہم عصر مانا جائے تو ان کی عمر کم وبیش چار ہزار برس ہونی چاہیے کیونکہ حضرت ابراہیم تخلیق آدم کے ۱۹۴۸ سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔ اگر حضرت خضر کو حضرت موسیٰ کا ہم عمر مانا جائے تو حیات ہونے کی صورت میں اس وقت ان کی عمر ۳۴۰۰ برس کی ہوگی۔ سکندر یونانی کا ہم عصر ہونے کی صورت میں بھی حضرت خضر کی عمر اس وقت دو ہزار تین سو برس سے زائد ہونی چاہیے۔

حضرت خضر کے بعد انسانوں میں سب سے طویل العمر انسان حضرت نوح گزرے ہیں۔ جن کی عمر تورات کے مطابق بوقت وفات ۹۵۰ برس ﴿۲﴾ اور کتاب المعمرین کے مطابق ۱۴۵۰ برس تھی ﴿۳﴾۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو انسانوں میں سب سے طویل العمر شخص حضرت خضر ہی ہیں۔

حضرت خضر کو سکندر یونانی کا ہم عمر ماننے کی صورت میں حضرت الیاس سب سے طویل العمر شخص قرار پائیں گے کیونکہ حضرت الیاس سکندر سے پانچ سو سال پہلے رہے

﴿۲﴾ تورات، کتاب پیدائش ۹:۲۹

﴿۳﴾ کتاب المعمرین ص ص ۱-۲

ہیں لیکن حضرت خضر کو سکندر کا ہم عمر اس لیے قرار نہیں دیا جاسکتا کہ قرآن اور حدیث کے مطابق حضرت خضر کے ساتھ حضرت موسیٰ کی ملاقات ہوئی ہے۔ حضرت الیاس اور سکندر دونوں حضرت موسیٰ کے بعد دنیا میں آئے ہیں۔ بعض علما کے نزدیک انبیاء کرام میں حضرت ادریس بھی بقید حیات ہیں۔ بعض صورتوں میں وہ حضرت خضر سے زیادہ طویل العمر انسان قرار پائیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں آسمان پر اٹھالیا ہے اس لیے روئے زمین پر سب سے زیادہ طویل العمر انسان حضرت خضر ہی ہیں۔

حضرت خضر کی حیات کے بارے میں علما کے درمیان اختلافات موجود ہیں۔ قرآن اور صحیح احادیث میں ایسی کوئی صراحت نہیں ملتی جس کی بنیاد پر ان کے حیات ہونے کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کی جاسکے۔ حضرت خضر کی حیات جاوداں کی تائید میں جو روایات بیان کی جاتی ہیں ان میں سے اکثر روایات پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ اس کے علاوہ مفسرین اور علما کی ایک جماعت نے ان کے حیات ہونے کا انکار کیا ہے۔

حضرت علی بن موسیٰ الرضا (۱۵۶۔۲۰۸ھ/۷۷۲۔۸۲۳ء) ﴿۴﴾ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ حضرت خضر کی وفات کے قائل تھے ﴿۵﴾۔ امام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۰۹۔ ۸۶۹ء) ﴿۶﴾ سے حضرت خضر کی حیات کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا ''ایسا کس طرح ممکن ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ صدی کے خاتمے پر ان میں سے

﴿۴﴾ علی بن موسیٰ بن جعفر الہاشمی الملقب الرضا، خانوادہ رسالت کے چشم و چراغ، اہل تشیع کے آٹھویں امام، تقویٰ اور پرہیز گاری کا پیکر تھے۔

﴿۵﴾ الزہر النضر ص ۸۶

﴿۶﴾ امام المحدثین ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری بخارا میں پیدا ہوئے۔ علم حدیث میں کمال حاصل کیا، صحیح بخاری تصنیف کی جسے اصح الکتب بعد القرآن کہا جاتا ہے۔ امام بخاری کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں۔ ان کی وفات سمرقند کے ایک دیہات خرتنگ میں ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔

کوئی باقی نہیں بچے گا جو اس وقت زمین پر موجود ہیں'' ﴿۷﴾۔ امام ابراہیم حربی (۱۹۸۔۲۸۵ھ/۸۱۵۔۸۹۸ء) ﴿۸﴾ نے حضرت خضر کی حیات سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ شیطان ہے جس نے لوگوں کے درمیان یہ بات ڈال دی ہے ﴿۹﴾۔ ابو الحسن بن المنادی (المتوفی ۳۳۶ھ/۹۴۷ء) ﴿۱۰﴾ نے حضرت خضر کے متعلق ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ انھوں نے حضرت خضر کی حیات کے بارے میں ابراہیم حربی کا قول نقل کیا ہے۔ ابو الحسن ابن المنادی بھی حضرت خضر کی حیات کے منکر تھے۔ علما نے ان کے انکار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اس شخص کے قول کو برا مانتے تھے جو یہ کہتا تھا کہ حضرت خضر زندہ ہیں ﴿۱۱﴾۔ ابوبکر بن محمد بن الحسین النقاش (۲۶۶۔۳۵۱ھ/۸۸۰۔۹۸۲ء) ﴿۱۲﴾ نے اپنی تفسیر میں حضرت خضر کی حیات کے باب میں امام علی بن موسیٰ الرضا اور امام بخاری کا انکار نقل کیا ہے۔ خود النقاش کا نام بھی ان علما میں شامل ہے جو حضرت خضر کی حیات کے منکر تھے ﴿۱۳﴾۔

﴿۷﴾ امام ابن قیم الجوزیہ۔ المنار المنیف، تحقیق عبد الفتاح ابوغدہ، مکتب المطبوعات اسلامیہ حلب، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء ص۷۲، الزھر النضر ص ص ۸۶۔۸۷

﴿۸﴾ ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق البغدادی بغداد کے عالم تھے۔ امام احمد بن حنبل کے اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔

﴿۹﴾ المنار المنیف ص ۶۷ الزھر النضر ص ۹۳ روح المعانی ۱۵: ۳۲۰ ''من احال علیٰ غائبٍ لم ینتصف منه وما القی ھذا بین الناس الا الشیطان''

﴿۱۰﴾ ابو الحسن احمد بن جعفر بن المنادی البغدادی، بغداد کے عالم اور مصنف تھے۔ انھوں نے جزء فی اخبار الخضر لکھی ہے۔ دیکھیے مقدمہ ''الزھر النضر ص ۳''

﴿۱۱﴾ الزھر النضر ص ص ۸۷۔۸۸، ۹۲۔ المنار المنیف ص ۷۲

﴿۱۲﴾ ابوبکر بن محمد بن الحسین النقاش مفسر گزرے ہیں۔ ابن حجر نے حضرت خضر کی حیات کا انکار کرنے والوں میں ابو طاہر بن العبادی، ابو الفضل بن ناصر، قاضی ابوبکر ابن العربی اور النقاش کا نام بھی لیا ہے۔ دیکھیے: الزھر النضر ص ۸۹

﴿۱۳﴾ الزھر النضر ص ۸۶

امام ابن حزم (۳۸۴-۴۵۶ھ/۹۹۴-۱۰۶۴ء) ﴿۱۴﴾ نے حضرت خضر کی بقا یا حیات کے تصور کو اسرائیلی افکار کے اثرات کا نتیجہ کہا ہے﴿۱۵﴾۔

قاضی ابویعلیٰ بن الفراء الحنبلی (المتوفی ۴۵۸ھ/۱۰۶۵ء) ﴿۱۶﴾ کا کہنا ہے کہ ہمارے بعض دوستوں سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت خضر وفات پا چکے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا "ہاں" ﴿۱۷﴾

امام بخاری اور علماء حدیث کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ حضرت خضر کی وفات پہلی صدی ہجری کے اختتام سے پہلے ہوئی ہے﴿۱۸﴾۔ قاضی ابوبکر ابن العربی (۴۶۸-۵۴۳ھ/۱۰۷۴-۱۱۴۸ء) ﴿۱۹﴾ کہتے ہیں کہ حضرت خضر نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا ہے مگر ارشاد نبوی "علیٰ رائس مائة سنة لایبقی علی الارض ممن هو علیها احد" کے مطابق انھوں نے پہلی صدی کے خاتمے سے پہلے وفات پائی ہے﴿۲۰﴾

﴿۱۴﴾ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم، نابغۂ روزگار عالم، ظاہری فقہ کے عظیم فقیہ، علوم سلامیہ کے جامع کا شمار اسلام کے کثیر التصانیف علماء میں ہوتا ہے۔ المحلیٰ ان کی مشہور تصنیف ہے۔ ان کی تحریروں کے بارے میں ابن العریف کا یہ قول مشہور ہے کہ ابن حزم کی زبان اور حجاج کی تلوار دو توام بہنیں ہیں۔ آپ کا تعلق اندلس سے تھا۔

﴿۱۵﴾ امام ابن حزم۔ الفصل فی الملل والاہواء والنحل، دار المعرفہ بیروت لبنان، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء ۴: ۱۸۰

﴿۱۶﴾ قاضی ابویعلیٰ محمد بن الحسین بن محمد بن خلف ابن الفراء الحنبلی عراق کے فقیہ تھے۔

﴿۱۷﴾ الزھر النضر ص ۸۹، البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۵، ابن کثیر کے بقول ابوطاہر بن العبادی کی رائے بھی یہی ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو رسول اللہ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے۔ دیکھیے: قصص الانبیاء ۲: ۵۳۶، البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۵، ابن حجر عسقلانی نے ابوطاہر بن العبادی کا نام دیا ہے، دیکھیے: المنار المنیف ص ۷۲

﴿۱۸﴾ الزھر والنضر ص ۷۸، البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۶

﴿۱۹﴾ قاضی حافظ محمد بن عبداللہ بن محمد الاشبیلی المعروف بہ ابوبکر ابن العربی اندلس کے آخری مشہور عالم اور حافظ حدیث ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں گراں قدر تصنیفات چھوڑی ہیں جن میں احکام القرآن، عارضۃ الاحوذی اور العواصم والقواصم مشہور ہیں۔ انوار الفجر فی تفسیر القرآن بیس برسوں میں تحریر کی۔ یہ کتاب اسی ہزار اوراق پر محیط ہے۔ مزار فاس میں ہے۔

﴿۲۰﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۶ الزھر النضر ص ۷۹ حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱: ۳۸۴

حافظ ابن جوزی (۵۰۸۔۵۹۷ھ/۱۱۱۴۔۱۲۰۱ء)﴿۲۱﴾ نے حضرت خضر کے بار
میں منقول احادیث کو موضوع روایات پر اپنی تصنیف ''تذکرۃ الموضوعات'' (۱:۱۹۳۔۱۹
میں زیر بحث لایا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے حضرت خضر کے بارے میں ''عـجـا
المنتظر فی شرح حال الخضر'' کے عنوان سے ایک مستقل کتاب تحریر کی ہے﴿۲۲﴾
یہ کتاب انھوں نے اپنے ایک ہم عصر عالم، جوان کے ہم وطن اور ہم مسلک بھی تھے، کی تصنی
کی تردید میں لکھی ہے۔ حافظ ابن جوزی نے اپنی کتاب میں نقلی اور عقلی دلائل کی رو
میں حضرت خضر کے حیات ہونے کا انکار کیا ہے۔ ان کی اس کتاب کا تذکرہ ابن کثیر، ابن
عسقلانی اور دوسرے ائمہ نے بھی کیا ہے۔ حیات خضر کے منکرین میں بعد کے علما نے زیاد
حافظ ابن جوزی ہی کے دلائل سے کام لیا ہے﴿۲۳﴾

ابوعبداللہ محمد بن ابی الفضل المرسی (المتوفی ۶۵۵ھ/۱۲۵۷ء)﴿۲۴﴾ کے بارے میں
ہے کہ وہ حضرت خضر کی وفات کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ صاحب موسیٰ حضرت خضر وفا
پا چکے ہیں کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا، ان پر ایمان لا
اور ان کی اتباع کرنا ان کے لیے لازم تھا﴿۲۵﴾

امام ابن تیمیہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ/۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)﴿۲۶﴾ سے حیات خضر کے بار

﴿۲۱﴾ جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن المعروف بہ ابن جوزی کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

﴿۲۲﴾ المنار المنیف کے محقق عبدالفتاح ابوغدہ نے حافظ ابن جوزی کی تصنیف کا نام عجالۃ المنتظر فی کشف حال الخضر دیا ہ
ابن کثیر نے کتاب کا نام عجالۃ المنتظر فی شرح حالۃ الخضر دیا ہے۔

﴿۲۳﴾ المنار المنیف ص ص ۶۹۔۷۶

﴿۲۴﴾ شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن ابی الفضل المرسی ادیب اور عالم فاضل تھے۔ انھیں کئی علوم میں مہارت
حاصل تھی۔ انھوں نے تفسیر القرآن تصنیف کی ہے۔

﴿۲۵﴾ الزہر النضر ص ۸۷

﴿۲۶﴾ ابوالعباس تقی الدین احمد بن شہاب الدین عبدالحلیم بن مجد الدین بن تیمیہ حرانی المعروف بہ ابن تیمیہ علوم اسلامیہ کے

میں دو رائیں منقول ہیں۔ ایک فتویٰ میں وہ حضرت خضر کی حیات کے منکر ہیں ﴿۲۷﴾۔ ان سے حضرت خضر کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا ''اگر حضرت خضر زندہ ہوتے تو ان کے لیے واجب تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، ان کے سامنے جہاد کرتے اور ان سے علم حاصل کرتے جبکہ رسول اللہ نے بدر کے روز دعا کی:

اللّٰھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لاتعبد فی الارض

''اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔''

اور وہ تین سو تیرہ مرد تھے جو اپنے ناموں، آباء اور قبائل کے ناموں سے معروف ہیں۔ اس وقت حضرت خضر کہاں تھے؟ ﴿۲۸﴾

ابوحیان (المتوفی ۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء) بھی وفات خضر کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جمہور کی رائے ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں ﴿۲۹﴾

امام ابن قیم (۶۹۱۔۷۵۱ھ/۱۲۹۲۔۱۳۵۰ء) ﴿۳۰﴾ نے المنار المنیف میں ابراہیم

بحر بیکراں اور مجدد زماں تھے۔ انھوں نے قلم اور تلوار دونوں سے اسلام کا دفاع کیا۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اور کلام میں شاندار تصنیفی ورثہ چھوڑا۔ آپ کا انتقال جیل میں ہوا۔ عالم اسلام کے مختلف شہروں میں غائبانہ نماز پڑھی گئی۔ اقصائے چین میں جمعہ کے روز منادی کی گئی، ''الصلوٰۃ علی ترجمان القرآن''۔

﴿۲۷﴾ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ۔ مجموع فتاویٰ، جمع وترتیب عبدالرحمٰن بن محمد بن قاسم العاصمی النجدی الحنبلی وابنہ محمد۔ مکہ / قاهرہ ۱۴۰۴ھ ۲۷: ۱۰۰

﴿۲۸﴾ المنار المنیف ص ۶۸

﴿۲۹﴾ الزھر النضر ص ۸۷

﴿۳۰﴾ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد المعروف بہ ابن قیم الجوزیہ، امام ابن تیمیہ کے شاگرد رشید اور ان کے علمی کمالات کا مظہر تھے۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر علمی اور وقیع تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں، جن میں اعلام الموقعین، زاد المعاد، مدارج السالکین اغاثۃ اللھفان مشہور ہیں۔ انھوں نے استاد کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھائی ہیں۔ ان کی سوانح مصر سے چھپ چکی ہے۔

حربی اور امام بخاری کے وہ اقوال نقل کیے ہیں جن میں حضرت خضر کی حیات کا انکار کیا گیا ہے۔

امام موصوف کا بیان ہے کہ ان دوائمہ کے علاوہ بہت سے علما سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب میں قرآن کی یہ آیت پڑھی:

وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد

''اور ہم نے تم سے پہلے کسی بشر کو دائمی زندگی نہیں بخشی۔''

امام ابن قیم نے امام ابن تیمیہ کا فتویٰ اور حافظ ابن جوزی کے نقلی اور عقلی دلائل بھی پیش کیے ہیں جن سے حیات خضر کی نفی ہوتی ہے﴿۳۱﴾

حافظ ابن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۲ء) نے بھی ابن جوزی کے دلائل کو نقل کیا ہے۔ انھوں نے ان روایات میں سے بعض کی اسناد کو منقطع کہا ہے۔ جو حضرت خضر سے ملاقات کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں﴿۳۲﴾

علما نے ان احادیث کی صحت پر کلام کیا ہے جن میں حضرت خضر کی حیات کا ذکر آیا ہے، ابوالحسن ابن المنادی کا بیان ہے کہ کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں ہے کہ آپ حیات ہیں﴿۳۳﴾۔ ان کا قول ہے:

ولاحادیث المرفوعة فی ذالک واهیة ﴿۳۴﴾

''اور اس بارے میں (منقول) مرفوع احادیث واہیات ہیں۔''

امام ابن قیم کہتے ہیں کہ وہ تمام احادیث جن میں حضرت خضر کی حیات کا ذکر آیا ہے سب کی سب جھوٹی ہیں ان کی زندگی کے متعلق ایک بھی حدیث صحیح نہیں ہے﴿۳۵﴾۔

﴿۳۱﴾ المنار المنیف ص ص ۶۷۔۷۶ ﴿۳۲﴾ البدایہ والنہایہ ۱:۳۳۴

﴿۳۳﴾ حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۴۸۳ ﴿۳۴﴾ الزہر النضر ص ۹۲

﴿۳۵﴾ المنار المنیف ص ۶۷

حافظ زین الدین عراقی (۷۲۵۔۸۰۶ھ/۱۳۲۵۔۱۴۰۳ء) ﴿۳۶﴾ نے احیاء علوم الدین میں منقول مسبعات عشر کی روایت (جو ابراہیم کے بارے میں اوپر گزر چکی) کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت خضر کی ملاقات یا عدم ملاقات کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ﴿۳۷﴾۔ شیخ مجدالدین شیرازی (المتوفی ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء) ﴿۳۸﴾ کا بیان ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس کی عمر اور اس کے طویل ہونے کے باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ﴿۳۹﴾۔ ملا علی قاری (المتوفی ۱۰۱۴ھ /۱۶۰۶ء) ﴿۴۰﴾ موضوع احادیث کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہی (موضوعات) میں سے وہ تمام احادیث جو حضرت خضر اور ان کی زندگی سے متعلق ہیں سب کی سب جھوٹی ہیں، ان میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے ﴿۴۱﴾۔



﴿۳۶﴾ حافظ ابوالفضل زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی شافعی نامور حافظ حدیث ہیں۔ آپ نے احیاء علوم الدین کے احادیث کی تخریج کی ہے۔ جو المغنی عن حمل الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار کے عنوان سے احیاء علوم الدین کے حواشی پر مصر سے شائع ہوئی ہے۔

﴿۳۷﴾ المغنی علی هامش احیاء علوم الدین ۱: ۳۴۶

﴿۳۸﴾ مجدالدین ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیر وزآبادی المعروف بہ مجدالدین شیرازی تفسیر، حدیث اور لغت کے امام تھے۔

﴿۳۹﴾ ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیر وزآبادی (مجدالدین شیرازی)، سفر السعادة علی هامش الغمہ، القاهرہ، الطبعۃ الاخیرہ ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء ۲: ۲۲۵

﴿۴۰﴾ شیخ علی بن سلطان محمد الہروی المعروف بہ ملا علی قاری یگانۂ روزگار حنفی محدث اور فقیہہ جنہوں نے مختلف موضوعات پر نہایت کارآمد تصنیفات تحریر کی ہیں۔ جن میں مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور شرح نقایہ خاص طور پر مشہور ہیں۔

﴿۴۱﴾ امام ملا علی قاری۔ الموضوعات الکبیر، المطبع الرفیع المجتبائی، دہلی ۱۳۱۵ھ ص ص ۹۶۔۹۷

منکرینِ حیات کے دلائل

حیاتِ خضر کے منکرین نے اپنا نکتہ نگاہ نقلی اور عقلی دلائل کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ حافظ ابن جوزی نے حضرت خضر کے زندہ نہ ہونے پر چار چیزوں سے دلیل پیش کی ہے:

(۱) قرآن (۲) سنت (۳) اجماع محققین (۴) عقل

قرآن:- حافظ ابن جوزی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے:

وما جعلنا لِبشرٍ من قبلک الخلد

''اور ہم نے تم سے پہلے کسی بشر کو دائمی زندگی نہیں بخشی۔''

یہ آیت حضرت خضر کے حیات نہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اگر خضر زندہ ہوں گے، تو انہیں خلود یا ابدی زندگی دی گئی ہے، جو اس آیت کے منافی ہے۔ اگر حضرت خضر بشر ہیں تو وہ لامحالہ اس آیت کے عموم میں داخل ہوں گے۔ کسی صحیح دلیل کے بغیر انھیں اس آیت سے مستثنیٰ کرنا درست نہیں ہے﴿۱﴾۔ حافظ ابن قیم کا بیان ہے کہ کئی ائمہ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب میں قرآن کی یہی آیت پڑھی ﴿۲﴾

سنت:- حافظ ابن جوزی نے سنت سے یہ دلیل دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنی حیات کے آخری دنوں میں ایک رات عشاء کی نماز پڑھائی اور سلام پھیرنے کے بعد کھڑے

﴿۱﴾ المنار المنیف ص ص ۶۹-۷۰، فلو دام الخضر کان خالداً

﴿۲﴾ المنار المنیف ص ۶۸

ہو کر) فرمایا:

ارایتکم لیلتکم ھٰذہ فان علیٰ راس مئة سنة منھا لا یبقی علیٰ ظھر الارض ممن ھو الیوم علیھا احد

''کیا تم نے اپنی یہ رات دیکھی جو بھی آج روئے زمین پر زندہ ہیں ان میں سے صدی کے اختتام پر کوئی بھی ایک زندہ نہیں رہے گا۔''

نیز صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات سے کچھ ہی روز پہلے فرمایا:

مامن نفس منفوسة یاتی علیھامئة سنة وھی یومئذٍ حیة

''کوئی سانس لینے والا نفس نہیں ہے جو اس وقت زندہ ہو گا جب اس پر سو سال گزر جائیں۔''

یہ احادیث مسند امام احمد اور سنن الترمذی میں بھی منقول ہیں۔ حافظ ابن جوزی کا کہنا ہے کہ یہ صحیح احادیث حیات خضر کے دعویٰ کا کمر توڑ دیتی ہیں۔ اگر حضرت خضر نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا ہے جیسا کہ قوی اور یقینی ہے تو کوئی اشکال نہیں، اگر انھوں نے آپ کا زمانہ پایا ہے تو اس حدیث کا اقتضا ہے کہ وہ پہلی صدی کے بعد ہرگز زندہ نہیں ہوں گے، لہٰذا اب وہ مفقود ہوں گے، موجود نہیں۔ کیونکہ وہ اس عموم کے تحت آتے ہیں اور اصل یہ ہے کہ انھیں اس عموم سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا جب تک (ان کی تخصیص) کسی ایسی صحیح دلیل سے ثابت نہ ہو جس کا قبول کرنا واجب ہو ﴿۳﴾

اجماع محققین:- حافظ ابن جوزی نے امام بخاری اور علی بن موسی الرضا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت خضر کی وفات ہو چکی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ امام بخاری سے حیات خضر کے

﴿۳﴾ البدایہ والنہایہ ۱:۳۳۶

بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ایسا کس طرح ممکن ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہے "کیا تم نے یہ رات دیکھی ہے، صدی کے خاتمے پر ان میں سے کوئی نہیں بچے گا جو اس وقت روئے زمین پر ہیں"۔ اور جو لوگ حضرت خضر کی وفات کے قائل ہیں ان میں ابراہیم بن اسحاق الحربی اور ابوالحسن بن المنادی بھی شامل ہیں۔ یہ دونوں امام ہیں۔ ابن المنادی اس شخص کی بات کا برا مانتے تھے جو کہتا کہ حضرت خضر زندہ ہیں۔ قاضی ابویعلیٰ نے امام احمد بن حنبل کے بعض اصحاب کے بارے میں کہا ہے کہ وہ حضرت خضر کی وفات کے قائل ہیں اور دلیل یہ ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کے لیے واجب تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

والذی نفسی بیده، لوان موسیٰ کان حیاماوسعه الاان یتبعنی ﴿۴﴾

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے لیے میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ تھا"

لہٰذا حضرت خضر کیسے زندہ ہو سکتے ہیں جبکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ تو جمعہ اور جماعت کی نماز پڑھی اور نہ ان کے ساتھ شامل ہو کر جہاد کیا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عیسیٰ جب دنیا میں نازل ہوں گے تو وہ اس امت کے امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے خود آگے نہیں بڑھیں گے، کہ اس سے ہمارے نبی کی نبوت میں خدشہ نہ ہو ﴿۵﴾

عقل:۔ عقلی دلائل ...

حضرت خضر کی حیات کا قائل جو شخص کہتا ہے کہ حضرت خضر حضرت آدم کی صلبی اولاد ہیں

﴿۴﴾ امام احمد بن حنبل، المسند (عن جابر بن عبداللہ) ۳:۳۸۷

﴿۵﴾ المنار المنیف ص ص ۷۲-۷۳، روح المعانی ۱۵:۳۲۱

تو یہ قول چند وجوہ سے غلط ہے۔

(ا) پہلی وجہ یہ ہے کہ تب تو ان کی عمر چھ ہزار سال ہونی چاہیے۔ جیسا کہ یوحنا المورخ نے بیان کیا ہے اور یہ عادتاً انسان کے لیے بعید از عقل ہے۔

(ب) دوسری وجہ یہ ہے، اگر وہ حضرت آدم کی صلبی اولاد ہیں یا ان کے بیٹے کی چوتھی اولاد ہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے اور یہ کہ وہ ذوالقرنین کے وزیر تھے۔ تو ان لوگوں کی خلقت ہماری خلقت پر نہیں ہے بلکہ وہ زیادہ لمبے اور چوڑے ہیں یعنی ان کی جسامت زیادہ ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا، ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا اس کے بعد قد گھٹتا رہا۔ جبکہ حضرت خضر کو دیکھنے والوں میں سے کسی نے یہ بیان نہیں کیا ہے کہ وہ عظیم قد والے تھے حالانکہ وہ لوگوں میں سب سے پرانے ہیں۔

(پ) تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر حضرت خضر حضرت نوح سے پہلے ہوتے تو وہ ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوتے۔ جبکہ کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(ت) چوتھی وجہ یہ ہے کہ علما کا اتفاق ہے کہ حضرت نوح جب کشتی سے اترے تو ان کے ساتھ جو لوگ تھے انھوں نے وفات پائی۔ اس کے بعد ان کی نسل بھی وفات پا گئی اور حضرت نوح کی نسل کے سوا کوئی باقی نہ رہا جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلیل ہے:

وجعلنا ذریته هم الباقین (الصّٰفّٰت: ۷۷)

''اور ہم نے ان کی اولاد کو ایسا کیا کہ وہی باقی رہ گئے''

اور اس سے قائل کا یہ قول باطل ہو جاتا ہے کہ وہ حضرت نوح سے پہلے تھے۔

(ث) پانچویں وجہ یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہوتا کہ بنی آدم میں سے کوئی بشر پیدائش کے وقت سے لے کر آخری زمانے تک زندہ رہے اور وہ حضرت نوح سے پہلے پیدا ہوا ہو تو یہ سب سے بڑی نشانی اور عجیب خبر ہوتی اور اس کی خبر قرآن میں ایک سے زائد جگہ ہوتی کیونکہ یہ ربوبیت

کی سب سے بڑی نشانی تھی جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا ذکر کیا جو پچاس کم ایک ہزار سال زندہ رہا اور اسے نشانی بنایا، پس کیسے اس شخص کے ساتھ حال ہوتا جو آخری زمانہ تک زندہ ہو۔ اسی لیے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ یہ بات تو شیطان نے لوگوں میں ڈال دی ہے۔

(ج) چھٹی وجہ یہ ہے کہ حیات خضر کا قول اللہ تعالیٰ پر قولِ بلا علم ہے اور نص قرآنی سے حرام ہے۔ مقدمہ ثانیہ تو عیاں ہے اور اب رہا پہلا مقدمہ تو اگر ان کی حیات ثابت ہوتی تو قرآن یا سنت یا اجماع امت سے اس پر دلیل ہوتی۔ یہ کتاب الٰہی ہے تو اس میں کہاں خضر کی حیات کا ذکر ہے۔ یہ رسول اللہ کی سنت ہے۔ اس میں کہاں کوئی ایسی چیز ہے کہ کسی پہلو سے اس امر پر دلیل ہو اور یہ علماء امت ہیں کیا وہ ان کی حیات پر متفق ہیں۔

(ح) ساتویں وجہ یہ ہے کہ ان کی حیات کے قائلین کے پاس زیادہ سے زیادہ منقول حکایات ہیں، جن کی خبر کوئی شخص دیتا ہے کہ اس نے حضرت خضر کو دیکھا۔ تعجب ہے کیا حضرت خضر کی کوئی نشانی ہے جس سے دیکھنے والے نے اسے پہچانا اور ان میں سے اکثر ان کے اس قول سے دھوکہ کھاتے ہیں کہ میں خضر ہوں حالانکہ معلوم ہے اللہ کی طرف سے بغیر کسی دلیل کے اس قول کے کہنے والے کی تصدیق جائز نہیں ہے۔ پس دیکھنے والے کو کہاں سے معلوم ہوا کہ اسے خبر دینے والا صادق ہے، جھوٹ نہیں بولے گا۔

(خ) آٹھویں وجہ یہ ہے کہ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ بن عمران کلیم اللہ سے جدائی اختیار کی اور ان کا ساتھ نہیں دیا اور ان سے کہا "هذا فراق بيني وبينك"۔ "یہ میرے اور تیرے درمیان جدائی کا وقت ہے"۔ تو کیسے وہ حضرت موسیٰ جیسے انسان کی جدائی پر راضی ہوں گے اور ان جاہل انسانوں کے ساتھ ملیں گے جو شریعت سے خارج ہیں، جو نہ جمعہ اور جماعت میں اور نہ کسی علمی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں اور نہ شریعت کی کوئی چیز جانتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کہتا ہے کہ خضر نے کہا، خضر میرے پاس آئے اور خضر نے مجھے وصیت کی۔

عجب ہے اس پر کہ کلیم اللہ کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور جاہلوں کی اور اس شخص کی صحبت میں پھرتا ہے جو نہیں جانتا کہ وضو کیسے کیا جائے اور نماز کیسے پڑھی جائے۔

(د) نویں وجہ یہ ہے کہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص کہتا ہے کہ میں خضر ہوں اگر وہ کہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ایسے کہتے سنا تو اس کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا اور نہ دین میں اس سے استدلال کیا جائے گا، الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ وہ (حضرت خضر) رسول اللہ کے پاس نہیں آئے اور نہ انھوں نے ان کی بیعت کی یا یہ جاہل کہے کہ وہ ان کی طرف مبعوث نہ تھے، اور یہ قول کفر ہے۔

(ذ) دسویں وجہ یہ ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو وہ کفار کے ساتھ جہاد کرتے، خدا کی راہ میں سامان درست رکھتے اور صفِ جنگاہ میں قیام کرتے، جمعہ اور جماعت میں حاضر رہتے، ان کی تعلیم علم ہوتی تو یہ زیادہ بہتر تھا بہ نسبت اس کے کہ جنگلوں اور غاروں میں وحشی جانوروں کے درمیان سیاحت کرتے اور کیا ان کے لیے اس سے بڑھ کر طعن اور عیب کوئی ہوسکتا ہے﴿۶﴾

حافظ ابن کثیر نے ابن جوزی کی یہ دلیل بھی نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں فرمایا:

> ”اور اللہ نے جب پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی کتاب آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا) انھوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا (خدا نے) فرمایا کہ تم (اس عہد وپیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔“

﴿۶﴾ المنار المنیف ص ص ۷۳۔۷۶، روح المعانی ۱۵:۳۲۱

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ اللہ نے جس کسی پیغمبر کو مبعوث فرمایا تو ضرور اس سے عہد لیا کہ اگر اس کی حیات میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو وہ ان پر ضرور ایمان لائے اور ان کی مدد کرے اور پیغمبر اپنی امت سے بھی عہد لے کہ اگر محمد صلی اللہ وعلیہ وسلم ان کی زندگی میں تشریف لائیں تو سب کو آپ پر ایمان لانا ہوگا اور ان کی مدد کرنی ہوگی۔

اگر حضرت خضر پیغمبر یا ولی ہوں تو اس عہد کے تحت ضرور داخل ہیں۔ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زندہ ہوتے تو ان کے احوال کا سب سے بڑا شرف یہ ہوتا کہ وہ حضور ﷺ کے سامنے ہوتے، ان پر نازل شدہ پیغام پر ایمان لاتے اور دشمنوں سے حفاظت کرنے کے لیے آپ کی مدد کرتے کیونکہ اگر وہ ولی ہیں تو صدیق ان سے افضل ہیں اور اگر نبی ہیں تو حضرت موسیٰ ان سے افضل ہیں جبکہ امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔'' اس حدیث سے قطعی طور پر واضح ہوتا ہے اور گزشتہ آیت کریمہ اس پر دلیل ہے کہ اگر تمام انبیاء کرام کے بارے میں فرض کیا جائے کہ وہ حضور ﷺ کے زمانہ میں زندہ ہیں تو سب کو آپ کی، آپ کے احکام کی اور عمومی شریعت کی اتباع کرنی ہوگی جس طرح معراج کی رات جب آپ کا ان کے ساتھ اجتماع ہوا تو آپ کو ان سب پر رفعت عطا کی گئی اور جب آپ کو بیت المقدس میں اتارا گیا اور نماز کا وقت آیا تو جبرئیل نے اللہ کے حکم سے آپ کو ان کی امامت کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے ان کے محل ولایت اور دار اقامہ میں نماز پڑھائی جس سے واضح ہوگیا کہ آپ سب سے بڑے امام، رسول خاتم اور عظیم ومقدم ہیں [7]

[7] البدایہ والنہایہ ۱:۳۳۵

جب یہ بات ہر مومن کو معلوم ہے تو واضح ہے کہ اگر حضرت خضر زندہ ہوتے تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہوتے اور جو آپ کی شریعت کی اقتدا کرتے ہیں ان میں سے کسی کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ نیز جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) آخری زمانے میں نازل ہوں گے تو وہ اسی شریعت مطہرہ کے مطابق فیصلہ کریں گے اس سے باہر نہیں نکلیں گے اور نہ ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ ہوگا۔ اور وہ پانچ اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک اور بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔

اور یہ معلوم ہے کہ کسی صحیح یا حسن سند سے جس پر دلوں کو اطمینان ہو، منقول نہیں ہے کہ ان کی ملاقات کسی دن رسول اللہ ﷺ سے ہوئی ہے اور نہ انھوں نے ان کے ساتھ جنگ میں شرکت کی۔ بدر کے روز حضور ﷺ نے کافروں کے مقابلے میں اللہ سے مدد اور فتح کی دعا مانگتے ہوئے یہ الفاظ کہے:

اللھم ان تھلک ھذہ العصابة لا تعبد بعدھا فی الارض ﴿۸﴾

”اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو اس کے بعد روئے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔“

اور اس جماعت میں مسلمانوں کے سردار، فرشتوں کے سردار حتیٰ کہ حضرت جبرئیل بھی شامل تھے۔ جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت (۶۶ ق ھ۔۵۴ھ/۵۵۸۔۶۷۴ء) ﴿۹﴾ ایک قصیدہ کے ایک بیت میں جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے فخر والا شعر

﴿۸﴾ مسلم میں ہے: اللھم ان تھلک ھذہ العصابة من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض۔ مسند میں ہے: ”لا تعبد فی الارض ابداً“

﴿۹﴾ شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت الانصاری جن کے لیے مسجد نبوی میں منبر لگایا جاتا تھا اور جن کے اشعار کی داد خود سید المرسلین دیا کرتے تھے۔ افصح العرب والعجم کی زبان مبارک سے داد پانا ہی شرف کی بات ہے۔

ہے جو عربوں نے کہا ہے:

وبشیرُ بدرٍ اذ یرُ دّ وجوههم جبریلُ تَحتَ لوائنا ومحمدٌ

''اور مقام بدر میں جب کافروں کا رخ موڑ دیتے تھے ہمارے جھنڈے تلے جبرئیل اور محمد۔''

تو اگر حضرت خضر حیات ہوتے تو اس روز اس جھنڈے کے نیچے ان کا ٹھہرنا ان کے تمام مقامات وغزوات سے بڑھ کر شرف اور عظمت والا ہوتا۔

منکرین حیات کے دلائل تفصیل سے نقل کیے گئے ہیں۔ منکرین حیات میں چوٹی کے ائمہ اور علما شامل ہیں جنہوں نے منقول اور معقول دلائل کی روشنی میں اپنا زاویہ نگاہ پیش کیا ہے۔ حضرت خضر کو جو لوگ حیات مانتے ہیں انھوں نے جوابی دلائل پیش کیے ہیں۔ جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

☆☆☆

قائلینِ حیات کے دلائل

اکثر علما، مشائخ اور عوام حضرت خضر کی حیات کے قائل ہیں۔ ان علما نے منکرینِ حیات کے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے ہیں۔

۱۔ منکرین حیات کا اعتراض ہے کہ قرآن میں کسی بشر کے لیے دائمی زندگی کی نفی آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد

''اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کو دائمی زندگی نہیں بخشی۔''

حضرت خضر بشر ہیں اس لیے وہ دائمی طور پر حیات نہیں ہو سکتے۔

علما نے جواب دیا ہے کہ آیت کریمہ میں ''الخلد'' سے مراد ابدی دوام ہے جس کا کوئی قائل نہیں۔ حضرت خضر کو حیات ماننے والوں میں سے کوئی نہیں کہتا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ ان کی موت موخر کر دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دجال کی تکذیب کریں گے، یہ رائے حضرت ابن عباس سے منقول ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ دجال سے مقاتلہ کریں گے، اس کے بعد وفات پائیں گے۔ حضرت حسن بصری کی رائے ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس کو پہلے صور کے پھونکے جانے تک زندگی بخشی گئی ہے۔ وہب بن منبہ کا بیان ہے کہ وہ اخیر زمانہ تک زندہ رہیں گے۔ ثعلبی کہتے ہیں کہ وہ آخری زمانے میں رفع قرآن کے وقت موت سے ہم کنار ہوں گے۔ اس امر کا کوئی قائل نہیں کہ وہ موت

سے مستثنیٰ ہیں۔ انھیں عمر جاوداں نہیں، عمر دراز عطا کی گئی ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ رسول اللہ ﷺ سے پہلے مبعوث کیے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی موت موخر کر کے آسمان پر اُٹھا لیا۔ حضرت عیسیٰ بھی بشر ہیں جس طرح آیت کریمہ سے ان کی موت پر دلیل لانا درست نہیں، اسی طرح حضرت خضر اور حضرت الیاس کی موت پر دلیل لانا درست نہ ہوگا۔ رہی دلیل کہ خلود مدت طویل کے لیے بھی آیا ہے یا عمر دراز کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے تو جواب یہ ہے کہ دلیل صحیح نہیں ہے۔ یہ چیز بشر کے حق میں ثابت ہے جس کی مثال حضرت نوح ہیں ﴿۱﴾ منکرین حیات نے سنت سے جو دلیل دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدی کے خاتمے پر ان میں سے کوئی زندہ نہیں بچے گا جو اس وقت روئے زمین پر زندہ ہیں۔ حضرت خضر بھی حدیث کے عموم میں شامل ہیں، اس لیے وہ کس طرح حیات ہو سکتے ہیں۔ علما کا جواب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مراد روئے زمین پر رہنے والوں سے ہے۔ حضرت خضر اس وقت سمندر یا دریا میں کسی کشتی پر رہے ہوں گے، ان کے بارے میں عام رائے بھی یہی ہے کہ وہ سمندروں کے موکل ہیں۔ یا ممکن ہے کہ وہ اس وقت زمین اور آسمان کے درمیان ہوا میں رہے ہوں جیسا کہ بعض صلحا نے انھیں دیکھا ہے جس طرح ملائکہ اور حضرت عیسیٰ حدیث کے عموم سے مستثنیٰ ہیں کہ وہ روئے زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر ہیں۔ جس طرح ہاروت و ماروت اس سے مستثنیٰ ہیں کہ وہ زمین پر تو ہیں مگر بشر نہیں یا جیسے ابلیس و شیاطین اور جنات اس سے مستثنیٰ ہیں اسی طرح حضرت خضر بھی حدیث کے عموم سے باہر ہیں۔ علاوہ ازیں صحیحین کی احادیث میں دجال اور جساسہ کا ذکر آیا ہے۔ دونوں عہد رسالت میں موجود تھے اور آج تک زندہ ہیں۔ دجال بھی ایک سمندری جزیرہ میں تھا۔ دجال اور جساسہ دونوں اس حدیث کے عموم سے خارج ہیں۔ بعض علما کی رائے ہے کہ حدیث میں ''ارض'' سے مراد مدینہ ہے جس طرح آیت الم تکن ارض اللہ

﴿۱﴾ روح المعانی ۱۵: ۳۲۴ـ۳۲۵

واسعۃ (النساء:۹۷) میں ارض سے مراد مدینہ ہے۔ اس صورت میں مدینہ کے باہر تمام لوگ اس سے مستثنیٰ ہوں گے ﴿۲﴾۔ صحیح بخاری کے شارح بدرالدین عینی (۷۶۲ـ۸۵۵ھ/ ۱۳۶۱ـ۱۴۵۱ء) ﴿۳﴾ کا کہنا ہے کہ امام بخاری اور ان کے ہم خیال حضرات نے حدیث الباب سے حضرت خضر کی موت پر استدلال کیا ہے لیکن جمہور ان کے خلاف ہیں ﴿۴﴾۔ اس لیے اس اعتراض میں کوئی جان نہیں ہے۔

حضرت خضر کی حیات کا انکار کرنے والوں نے ایک دلیل یہ دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: ''اے اللہ اگر آج یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔'' یہ جماعت تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھی جو معروف ہیں اس وقت حضرت خضر کہاں تھے۔ حیات کے قائلین کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے الفاظ سے مراد یہ ہے کہ غلبہ اور ظہور کے ساتھ عبادت نہ ہو سکے گی ورنہ مدینہ منورہ میں بہت سے مسلمان تھے جو بدر میں حاضر نہ تھے۔ معراج کی رات رسول اللہ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ حضرت خضر بھی ان میں شامل ہوں گے مگر کسی نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔ کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ وہ ان میں شامل نہ تھے ممکن ہے وہ بدر میں شریک رہے ہوں اور کسی نے دیکھا نہ ہو، کیونکہ وہ نظروں سے اوجھل رہتے ہیں ﴿۵﴾۔ منکرین حیات نے امام بخاری، علی بن موسیٰ الرضا، ابن المنادی، قاضی ابویعلیٰ اور دوسرے علما کا انکار نقل کیا ہے، مگر حضرت خضر کی حیات کے قائل علما اور

﴿۲﴾ حضرت مولانا احمد رضا صاحب بجنوری۔ انوار الباری شرح صحیح البخاری۔ دہلی ۲۰۰۶ء/۱۴۲۷ھ ۱۵:۱۶۸ـ۱۶۹

﴿۳﴾ شیخ الاسلام بدرالدین عینی محمود بن احمد، صحیح بخاری کے شارح اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ نے چالیس سال جامعہ مویدیہ قاہرہ میں درس دیا۔ صحیح بخاری کی شرح ''عمدۃ القاری''۔ ''نخب الافکار شرح معانی الآثار'' آپ کی تصنیفات میں مشہور ہیں۔

﴿۴﴾ انوار الباری شرح صحیح البخاری۔ ۱۵:۱۶۸ـ۱۶۹

﴿۵﴾ روح المعانی ۱۵:۳۲۴

مشائخ کا جواب یہ ہے کہ علما کی ایک بڑی تعداد انھیں حیات مانتی ہے ﴿۶﴾

قرآن، سنت اور اجماع کے بعد حافظ ابن جوزی نے دس عقلی دلائل دیے ہیں جن سے حیات خضر کی نفی ہوتی ہے۔ حیات کے قائلین نے ان کا جواب دیا ہے

(۱) پہلی دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم کی صلبی اولاد ہونے کی صورت میں حضرت خضر کی عمر چھ ہزار سال ہونی چاہیے جبکہ بشر کے معاملے میں ایسا ہونا بعید از عادت ہے۔ علما نے اس کا جواب دیا ہے کہ جو چیز عادت سے بعید ہو وہ خرق عادت ہے اس لیے اعتراض ہی بے محل ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ طویل العمری بشر کے حق میں بعید نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں حضرت نوح کے بارے میں آیا ہے کہ وہ نو سو پچاس سال اپنی قوم میں رہے۔ بعض مفسرین نے نو سو پچاس برس ان کی مدت تبلیغ بتائی ہے۔ ابو حاتم بجستانی نے ان کی عمر چودہ سو پچاس سال اور بعض دوسرے علما نے سترہ سو اسی برس بتائی ہے۔ ہاں متاخرین کے نزدیک اس قدر طویل العمری ضرور بعید از قیاس ہے ﴿۷﴾

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر حضرت خضر حضرت آدم کی صلبی اولاد ہیں یا ان کی اولاد میں سے چوتھی اولاد ہیں تو ان کی خلقت اور جسامت بڑی ہوگی جبکہ ان سے ملاقات کرنے والوں میں سے کوئی نہیں کہتا کہ وہ عظیم الخلقت ہیں۔ قائلین حیات کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں قدیم لوگوں کا جو عظیم الخلقت ہونا مروی ہے تو یہ اس پہلو سے ہے کہ ان لوگوں کی اکثریت عظیم الخلقت ہوتی تھی۔ ورنہ معلوم ہے کہ یاجوج اور ماجوج اگرچہ حضرت نوح کے بیٹے یافث کی پشت سے ہیں مگر ان میں بعض کا قد بالشت کے برابر ہے جیسا کہ آثار میں مروی ہے۔ اس کے علاوہ بعض روایات میں حضرت خضر کی خلقت کا بیان بھی آیا ہے۔

﴿۶﴾ روح المعانی ۱۵:۳۲۳، حکایات الصالحین من التابعین والصوفیا فی الاجتماع بہ والاخذ عنہ فی سائر الاعصار اکثر من ان تحصر واشھر من ان تذکر۔

﴿۷﴾ روح المعانی ۱۵:۳۲۴_۳۲۵

حضرت عمر فاروق کے واقعہ میں ان کے نشان قدم کی لمبائی ایک ذراع (۱۸ سے ۲۲ انچ) بیان ہوئی ہے ﴿۸﴾

(۳) منکرین حیات کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر حضرت خضر حضرت نوح کے ساتھ کشتی میں سوار ہوتے تو کسی نے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ حیات کے قائل علما نے جواب میں کہا کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں تشکل و تصور کی قوت عطا فرمائی ہو کہ حضرت جبرئیل کی طرح جس شکل میں چاہیں ظاہر ہوں۔ صوفیا کے یہاں اولیا کی یہ قوت مسلم ہے اور جب یہ قوت تسلیم کی جائے تو یہ اعتراض باقی نہیں رہتا کہ وہ سفینہ نوح میں سوار نہیں ہوئے۔ نیز وہ سمندروں کے موکل ہیں انھیں کشتی نوح میں سوار ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یا ممکن ہے وہ ہوا میں رہے ہوں یا کسی شکل میں کشتی میں موجود رہے ہوں ﴿۹﴾۔

(۴) حضرت خضر کی حیات کے خلاف ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ حضرت نوح اور ان کے ساتھی کشتی سے اترے تو صرف حضرت نوح کی ذریت باقی رہ گئی۔ اگر حضرت خضر کشتی میں سوار تھے تو ان کی زندگی کے بارے میں کسی سے کوئی قول منقول کیوں نہیں ہے؟ حیات کے قائلین کا جواب یہ ہے کہ کہاں ثابت ہے کہ حضرت خضر کشتی میں سوار تھے۔ ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ حضرت نوح سے پہلے رہے ہیں، ضعیف قول ہے۔ حضرت خضر ان کے بعد رہے ہیں۔ نیز آیت میں حضرت نوح کی ذریت کا باقی رہنا ان کے جھٹلانے والوں کی نسبت کہا گیا ہے کہ ان میں کوئی باقی نہ بچا۔ یہ مراد نہیں کہ تمام اہل کشتی مر گئے اور صرف حضرت نوح کی نسل باقی رہ گئی۔ مراد یہ ہے کہ ان کی نسل کے سوا جو بھی بظاہر نظروں میں تھا مر گیا۔ جو لوگ بغیر تناسل کے تھے ان کے بقا کی نفی نہیں کی گئی ہے۔ کشتی میں شیطان بھی سوار تھا اس لیے اس

﴿۸﴾ روح المعانی ۱۵: ۳۲۵

﴿۹﴾ روح المعانی ۱۵: ۳۲۵

اعتراض میں کوئی وزن نہیں ہے﴿۱۰﴾

(۵) حضرت خضر کے حیات ہونے کے خلاف ایک دلیل یہ دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی عمر کا ذکر قرآن میں کیا جو ربوبیت کی نشانی ہے۔اگر حضرت خضر حیات ہوتے تو یہ بہت بڑی نشانی ہوتی مگر قرآن میں ان کی حیات کا ذکر ہی نہیں ہے۔اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ بعض علما نے قرآن کی آیت ''آتیناہ رحمة من عندنا'' میں ''رحمة'' سے مراد طویل العمری کی طرف اشارہ لیا ہے﴿۱۱﴾

(۶) منکرین حیات کی ایک دلیل یہ ہے کہ حیات خضر کا قول اللہ کے بارے میں قول بلاعلم ہے۔اگر حضرت خضر حیات ہوتے تو قرآن ،سنت یا اجماع امت سے کوئی دلیل ہوتی۔ علما نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ علما کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ حضرت خضر زندہ ہیں،صوفیا اور مشائخ کا اتفاق ہے کہ حضرت خضر زندہ ہیں اور عام مسلمان بھی حضرت خضر کو زندہ مانتے ہیں۔ان کی حیات کے ثبوت میں مشائخ اور مشہور علما کا اتفاق کافی ہے﴿۱۲﴾

(۷) حضرت خضر کی حیات کے خلاف ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ان کی ملاقات کے بارے میں زیادہ تر حکایات منقول ہیں۔کیا ان کی کوئی نشانی ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ حضرت خضر ہیں۔حیات کے قائل علما نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت خضر کی معروف نشانیاں ہیں۔ان کے قدموں تلے زمین کا سرسبز ہونا،ان کے پاؤں کی لمبائی ایک ذراع ہونا اور ان سے خوارق عادات کا ظاہر ہونا وہ نشانیاں ہیں جو معروف ہیں۔مومن کے قول کی تصدیق اس کے متعلق حسن ظن کی بنا پر ہوتی ہے۔نیز انھیں دیکھنے کا دعویٰ کرنے والوں میں یہ بات عام ہے کہ ان کے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں ہڈی نہیں ہے اور ان کی ایک

﴿۱۰﴾ روح المعانی ۱۵:۳۲۵

﴿۱۱﴾ روح المعانی ۱۵:۳۲۶

﴿۱۲﴾ روح المعانی ۱۵:۳۲۱۔۳۲۲

آنکھ کی پتلی پارے کی طرح حرکت کرتی رہتی ہے﴿۱۳﴾

(۸) حیات خضر کے خلاف ایک دلیل یہ دی گئی ہے کہ حضرت خضر کا حضرت موسیٰ سے الگ ہونا اوران لوگوں کے ساتھ رہنا جو شریعت سے بے بہرہ ہیں اور وضو اور جو نماز سے بھی واقف نہیں،طعن کے لائق اور معیوب ہے۔ حیات کے قائلین کا جواب یہ ہے کہ ہر دور میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں رہی ہے جنہوں نے اللہ اور رسول پر جھوٹ باندھا، حضرت خضر پر جھوٹ باندھنا کونسی بڑی بات ہے؟ اکابر صوفیا اور مشائخ جو شریعت کی حدود کی پاسداری کرتے ہیں، کے ساتھ ان کی ملاقات عام ہے۔ ان میں وہ حضرات بھی شامل ہیں، جن کی مرافقت کے خود حضرت خضر خواہشمند رہے ہیں۔ کیا ان کے ساتھ حضرت خضر کی ملاقات کو بھی جھٹلایا جاسکتا ہے؟﴿۱۴﴾

(۹) منکرین حیات کی ایک دلیل ہے کہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص کہے میں خضر ہوں اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کہتے سنا ہے تو اس کے قول کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی اور نہ دین میں اس سے استدلال کیا جائے گا۔ سوائے اس کے یہ کہا جائے کہ آپؐ ان کی طرف مبعوث نہ تھے اور یہ کفر ہے۔ قائلین حیات کا جواب ہے کہ اس میں کفر کا شائبہ نہیں ہے، ہاں یہ قول باطل ہے اور وہ آپ کی خدمت میں آئے ہیں اور بیعت کی ہے مگر باطنی طور پر کسی کو اس کا احساس نہ ہوا اور ایک جماعت نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے لیکن ان کے وجود اور شہود کے بارے میں کوئی قطعی رائے نہیں ہے اس لیے شاید ان کی روایت بھی قبول نہیں کی جائے گی﴿۱۵﴾

(۱۰) حضرت خضر کی حیات کے خلاف ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اگر وہ حیات

﴿۱۳﴾ روح المعانی ۱۵: ۳۲۶

﴿۱۴﴾ روح المعانی ۱۵: ۳۲۷

﴿۱۵﴾ روح المعانی ۱۵: ۳۲۱

ہوتے تو کفار کے ساتھ جہاد کرنا، جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری کرنا، صف جنگاہ میں ٹھہرنا، جمعہ اور جماعت میں حاضر ہونا، جہال کو ارشاد و تبلیغ کرنا، ان کے لیے غاروں اور جنگلوں میں وحشیوں کے درمیاں پھرنے سے افضل تھا۔ جواب میں کہا گیا ہے کہ جہاد میں ان کی عدم شرکت کہاں سے معلوم ہوئی۔ دوسرے یہ کہ علم لدنی کا عالم اسی چیز میں مشغول ہوگا جس کی تعلیم اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر مکان و زمان میں امر و شان کے اقتضاء کے مطابق دی گئی ہے﴿۱۶﴾

حضرت خضر کے حیات ہونے پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ سورہ آل عمران کی آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے جو حدیث مروی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نبی سے عہد لیا جاتا تھا کہ اگر اس کی زندگی میں رسول اللہ ﷺ مبعوث کیے گئے تو وہ آپؐ پر ایمان لائے گا اور آپ کی مدد کرے گا۔ اگر حضرت خضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہوتے تو ان کے لیے ضروری تھا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں آتے، آپ کی رفاقت میں جہاد کرتے جبکہ کسی صحیح حدیث سے معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت خضر آپؐ کی خدمت میں آئے ہوں اور جہاد کیا ہو۔ حیات کے قائل علما کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وہ آئے ہوں اور کسی نے نہ دیکھا ہو اور ان کی نظر نہ آنے میں کوئی حکمت ہو۔ اس کے علاوہ جہاد میں ان کی شرکت کے شواہد بھی موجود ہیں۔ مثلاً ابن بشکوال (۴۹۴۔۵۷۸ھ/۱۱۰۱۔۱۱۸۳ء) ﴿۱۷﴾ ''کتاب المستغیثین باللہ تعالیٰ'' میں حضرت عبداللہ بن مبارک (۱۱۸۔۱۸۱ھ/۷۳۶۔۷۹۷ء) ﴿۱۸﴾ سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے کہ میں ایک غزوہ میں تھا کہ میرا گھوڑا مر گیا، میں نے ایک خوبرو اور

﴿۱۶﴾ روح المعانی ۱۵: ۳۲۷

﴿۱۷﴾ ابوالقاسم خلف بن عبدالملک بن مسعود بن بشکوال بن یوسف بن داحہ بن داکہ کا شمار اندلس کے محدثین اور مورخین میں ہوتا ہے۔ مختلف علوم میں پچاس تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ کا تعلق قرطبہ سے تھا۔

﴿۱۸﴾ عبداللہ بن مبارک المروزی ثقہ، عالم، جواد اور مجاہد تھے جن کے اندر اللہ نے خیر کے خصائل جمع کیے تھے۔ امام مالک صرف عبداللہ بن مبارک کے لیے احتراماً کھڑے ہوتے تھے۔ لواقح الانوار ۱: ۵۹

خوشبو دار شخص کو دیکھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کیا تم اپنے گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے ہو؟ میں نے کہا "ہاں"۔ اس نے گھوڑے کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور اس کے پچھلے حصے تک پھیرتے ہوئے کہا کہ اے بیماری میں تمہیں عزت الٰہی کی عزت، عظمت الٰہی کی عظمت، جلال الٰہی کے جلال، سلطان الٰہی کے سلطان، لا الہ الا اللہ، اس چیز کی جو قلم نے خدا کے پاس تحریر کی ہے اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم چلی جاؤ۔ گھوڑا خدا کے حکم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس شخص نے رکاب پکڑی اور مجھ سے کہا کہ سوار ہو جاؤ، میں گھوڑے پر سوار ہوا اور ساتھیوں سے مل گیا۔ جب دوسرے دن صبح کو ہم دشمن پر غالب آ گئے تو وہ ہمارے سامنے تھا۔ میں نے اس سے کہا کیا تم کل والے ساتھی نہیں ہو۔ اس نے کہا "کیوں نہیں"۔ میں نے کہا اللہ کے لیے مجھے بتاؤ کہ آپ کون ہیں۔ وہ اچھل کر کودے، اس کے پاؤں تلے جو زمین تھی وہ سرسبز ہو گئی، اس کے بعد اس نے کہا میں خضر ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بعض معرکوں میں حصہ لیتے ہیں ﴿۱۹﴾۔ نیز اگر وہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے تو ایسا کرنا واجب بھی نہیں تھا۔ کتنے ہی ایمان والے تھے جو رسول اللہ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ خیر التابعین حضرت اویس قرنی (الشہید ۳۷ھ/۶۵۷ھ) ﴿۲۰﴾ کی مثال موجود ہے۔ ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور جہاد میں ساتھ دینا اور براہ راست تعلیم پانا ممکن نہ ہو سکا۔ اسی طرح نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۹ھ/۶۳۰ء) ﴿۲۱﴾ کی مثال موجود ہے جو رسول اللہ ﷺ کی

﴿۱۹﴾ روح المعانی ۱۵:۳۲۴

﴿۲۰﴾ سید التابعین حضرت اویس بن عامر القرنی یمن کے ایک گاؤں قرن میں پیدا ہوئے۔ آپ حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت کے طور پر مشہور ہیں۔ ۳۶ اور ۳۷ھ کی جنگ صفین میں حضرت علی کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

﴿۲۱﴾ حبشہ کا بادشاہ نجاشی جس نے مہاجرین حبشہ کو پناہ دی تھی، رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا تھا۔ مہاجرین حبشہ واپس آئے، تو رسول اللہ نے تین بار نجاشی کے لیے دعائے مغفرت مانگی تھی۔ نجاشی کا انتقال رجب ۹ھ میں ہوا تو رسول اللہ نے مدینہ میں اس کے انتقال کے روز ہی صحابہ کو اس کی اطلاع دی اور غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔

خدمت میں حاضر نہ ہو سکے ﴿۲۲﴾۔ قائلین حیات یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت خضر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتے تھے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔ مگر خفیہ طور پر کیونکہ وہ حکمت الٰہی کے اقتضاء کے تحت علانیہ آنے پر مامور نہ تھے ﴿۲۳﴾

جہاں تک رسول اللہ سے روایت کرنے کا تعلق ہے۔ محدثین نے تصریح کی ہے کہ رسول اللہ سے ان کے بارے میں یا ان کے واسطے سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ حیات کے قائل محدثین بھی مانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے حضرت خضر کی کوئی روایت نہیں ہے۔ مگر صوفیا ان سے بلا واسطہ روایت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ علاء الدین کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے حضرت خضر سے بلا واسطہ احادیث نبوی حاصل کی ہیں نیز سہروردی نے السر المکتوم میں بیان کیا ہے کہ حضرت خضر نے ہم سے تین سو احادیث بیان کیں جنہیں انھوں نے زبان رسالت سے سنا تھا ﴿۲۴﴾۔



﴿۲۲﴾ روح المعانی ۱۵:۳۲۳

﴿۲۳﴾ روح المعانی ۱۵:۳۲۳-۳۲۴

﴿۲۴﴾ روح المعانی ۱۵:۳۲۳

خلاصۂ بحث

حضرت خضر کے بارے میں علما نے اس کثرت سے واقعات نقل کیے ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے، بعض واقعات میں آیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام بھیجا ہے جبکہ بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے دعا کی کہ اللہ انھیں رسول اللہ ﷺ کی امت مرحومہ میں شامل کرے۔ متعدد آثار میں آیا ہے کہ صحابہ نے ان کے ساتھ ملاقات کی جبکہ بعض بیانات میں ان کی دعائیں، تسبیحات اور دوسرے کلمات منقول ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے موقعہ پر حضرت خضر کی تعزیت کا واقعہ مختلف اسناد سے روایت کیا گیا ہے۔ علماء نے حضرت ابوبکر (۵۰ ق ھ۔ ۱۳ھ/ ۵۷۳۔ ۶۳۴ء) اور حضرت علی (۲۳ ق ھ۔ ۴۱ھ/ ۵۹۹۔ ۶۶۱ء) کے آثار کتابوں میں نقل کیے ہیں۔ حضرت عمر فاروق (۳۷ ق ھ۔ ۲۳ھ/ ۵۸۲۔ ۶۴۳ء) کے عہد میں ایک جنازے میں ان کی شرکت کا واقعہ بھی منقول ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے دوران بھی ان کی حیات کا تصور موجود رہا ہے اس لیے اسے اس بنا پر رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ خیال بعد کے زمانے کی پیداوار ہے۔

محدثین نے روایات و آثار کے اس دفتر پر کلام کیا ہے اور ان کی صحت سے انکار کیا ہے لیکن علما کی ایک بڑی تعداد نے ان میں سے بعض واقعات اور روایات و آثار کو صحیح مانا ہے، انکار و اقرار کی اس تکرار میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس کی حیات جاوداں کا

تصور قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر سے آج تک برابر موجود رہا ہے۔ محدثین کے ایک طبقے کی رائے کے برعکس جمہور علما، مشائخ عظام اور عوام انھیں حیات مانتے ہیں۔

منکرین حیات میں حضرت علی بن موسی الرضا، امام بخاری، ابراہیم الحربی، ابوالحسن بن المنادی، ابوبکر محمد بن حسین النقاش، قاضی ابویعلی بن الفراء الحنبلی، قاضی ابوبکر ابن العربی، حافظ ابن جوزی، ابوعبداللہ محمد بن ابی الفضل المرسی، ابوحیان، امام ابن قیم، حافظ ابن کثیر اور حافظ زین الدین عراقی کے نام قابل ذکر ہیں۔ محدثین اور علما نے ان احادیث کی صحت پر کلام کیا ہے جن میں حضرت خضر اور حضرت الیاس کی حیات کا ذکر آیا ہے۔ ان علما میں مجد الدین شیرازی اور ملا علی قاری بھی شامل ہیں۔

منکرین حیات میں امام ابن تیمیہ کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ ان سے دو رائیں منقول ہیں ﴿۱﴾

حضرت خضر کو حیات ماننے والوں کی تعداد منکرین حیات سے بہت زیادہ ہے۔ صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباس حضرت خضر کی حیات کے قائل ہیں۔ ان کا بیان ہے:

نسی للخضر فی اجله حتیٰ یکذب الدجال ﴿۲﴾

"حضرت خضر کے لیے وفات میں اس وقت تک مہلت دی گئی ہے جب وہ دجال کی تکذیب کریں گے۔"

تابعین میں حضرت حسن بصری (المتوفی ۱۱۰ھ/۷۲۸ء) کا قول ہے کہ حضرت الیاس بیابانوں اور حضرت خضر سمندروں کے موکل ہیں ﴿۳﴾۔ وہب بن منبہ (المتوفی ۱۱۴ھ/۷۳۲ء)

﴿۱﴾ مجموع فتاوی ۲۷: ۱۰۰، ۴: ۳۳۷۔۳۴۰

﴿۲﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۶، الاصابہ ۲: ۲۹۱۔ الزہر النضر ص ص ۷۰۔۷۱۔ روح المعانی ۱۵: ۳۲۲

﴿۳﴾ الزہر النضر ص ۷۴

حضرت الیاس کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھیں اسی طرح لمبی عمر عطا کی گئی ہے جس طرح حضرت خضر کو لمبی عمر بخشی گئی ہے اور وہ اخیر زمانہ تک زندہ رہیں گے ﴿۴﴾۔ خُصیف بن عبد الرحمٰن الجزری الحرانی (المتوفی ۱۳۷ھ/۷۵۴ء) ﴿۵﴾ کا بیان ہے کہ انبیاء میں چار زندہ ہیں۔ دو آسمان میں یعنی حضرت عیسیٰ اور حضرت ادریس اور دو زمین میں ہیں یعنی حضرت خضر اور حضرت الیاس۔ حضرت خضر سمندر میں اور ان کے ساتھی خشکی میں ہیں ﴿۶﴾۔ ابن اسحاق (المتوفی ۱۵۰ھ/۷۶۷ء) ﴿۷﴾ کہتے ہیں کہ حضرت آدم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ان کی نعش کو دفن کرنے والے کی عمر قیامت تک طویل ہو۔ حضرت خضر نے ان کی نعش دفن کی۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے وعدہ پورا کیا۔ وہ زندہ ہیں جب تک اللہ چاہے، زندہ رہیں گے ﴿۸﴾

صحیح مسلم میں دجال کے متعلق ایک طویل حدیث آئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال مدینہ منورہ سے متصل ایک مقام پر پہنچے گا تو ایک صالح انسان اس کے پاس جا کر کہے گا کہ تم وہی دجال ہو جس کی خبر ہم کو رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ دجال لوگوں سے کہے گا اگر میں اس شخص کو تمہارے سامنے قتل کردوں، پھر اسے زندہ کروں تو کیا تم میرے معاملے میں شک کرو گے؟ لوگ جواب دیں گے "نہیں" اس کے بعد دجال اسے قتل کرے گا پھر اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ زندہ ہونے کے بعد صالح انسان کہے گا "قسم اللہ کی اب تو مجھے آپ کے بارے میں زیادہ یقین ہوا کہ آپ ہی دجال ہیں"۔ دجال پھر اسے قتل کرنے کا ارادہ

﴿۴﴾ شیخ الاسلام جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی۔ الاتقان فی علوم القرآن، کتب خانہ اشاعت الاسلام دہلی ۲:۱۷۹

﴿۵﴾ خصیف بن عبدالرحمٰن الجزری الحرانی کے بارے میں محدثین مختلف الرائے ہیں۔ بعض نے انھیں صدوق کہا ہے اور بعض نے انھیں ارجاء سے متہم کیا ہے۔ تقریب التہذیب ص ۲۹۷

﴿۶﴾ الزہر النضر ص ۷۶

﴿۷﴾ حافظ حدیث اور قدیم ترین مسلم مورخ ابوبکر محمد بن اسحاق بن یسار مغازی اور سیرت کے امام کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ آپ نے بغداد میں وفات پائی۔ الاعلام ۶:۲۵۲

﴿۸﴾ الزہر النضر ص ۷۱، روح المعانی ۱۵:۳۲۲

کرے گا مگر وہ قابو نہیں پائے گا۔ صحیح مسلم کے راوی ابراہیم بن محمد بن سفیان (المتوفی ۳۰۸ھ/۹۲۰ء) ﴿۹﴾ کا کہنا ہے کہ یہ صالح انسان حضرت خضر ہوں گے ﴿۱۰﴾۔ یہی حدیث المصنف میں بھی آئی ہے۔ حدیث کے راوی معمر بن راشد الازدی (المتوفی ۱۵۴ھ/۷۷۱ء) ﴿۱۱﴾ کا بیان ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ حضرت خضر ہوں گے ﴿۱۲﴾۔ سہیلی حضرت خضر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ اس وقت تک زندہ ہیں جب دجال نکلے گا۔ یہی وہ شخص ہیں جنہیں دجال قتل کرے گا پھر انہیں زندہ کرے گا ﴿۱۳﴾

ابو حاتم سجستانی (المتوفی ۲۵۰ھ/۸۶۴ء) نے حضرت خضر کا شمار معمرین میں کیا ہے ﴿۱۴﴾ امام ثعلبی (المتوفی ۴۲۷ھ/۱۰۳۵ء) کا بیان ہے کہ تمام اقوال کے مطابق خضر علیہ السلام معمر نبی ہیں اور تمام لوگوں سے پوشیدہ ہیں ﴿۱۵﴾۔ شیخ ابو عمرو بن الصلاح (۵۷۷۔۶۴۳ھ/۱۱۸۱۔۱۲۴۵ء) ﴿۱۶﴾ حضرت خضر کے بارے میں کہتے ہیں کہ جمہور علما اور صالحین کے نزدیک وہ زندہ ہیں۔ عام لوگ بھی انہی کے ہم رائے ہیں، صرف بعض محدثین کو اس سے انکار ہے ﴿۱۷﴾۔ صحیح مسلم کے شارح امام نووی (المتوفی ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء) دجال کے متعلق

﴿۹﴾ شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان نیشاپوری جن سے صحیح مسلم کا سلسلہ روایت قائم ہوا ہے۔

﴿۱۰﴾ صحیح مسلم بشرح نووی۔ کتاب الفتن باب ذکر الدجال، تہذیب الاسماء واللغات ۱:۱۷۷ تاریخ الخمیس ۱:۱۲۱

﴿۱۱﴾ ابو عروہ معمر بن راشد الازدی، البصری ثقہ فاضل ہیں۔

﴿۱۲﴾ الزہر النضر ص ۱۳۱، عبدالرزاق ابن ہمام۔ المصنف، تحقیق حبیب الرحمٰن الاعظمی ۱۹۷۲ء ۱۱:۳۹۳

﴿۱۳﴾ الزہر النضر ص ۷۸ ﴿۱۴﴾ کتاب المعمرین ص ۱

﴿۱۵﴾ قصص الانبیاء المسمی بالعرائس ص ۲۴۱

﴿۱۶﴾ حافظ تقی الدین ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن بن عثمان بن موسیٰ شہر زوری ابن الصلاح نامور عالم اور مشہور محدث ہیں۔ مقدمہ ابن الصلاح اور طرق حدیث الرحمۃ مشہور تصانیف ہیں۔ آپ نے دمشق میں وفات پائی۔ دیکھیے: تذکرۃ الحفاظ ۴:۱۴۳۰، وفیات الاعیان ۳:۲۴۳

﴿۱۷﴾ ابن الصلاح، فتاویٰ ابن الصلاح، القاہرہ ص ۲۸، حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۱۸۴، تاریخ الخمیس ۱:۱۲۱ صحیح مسلم بشرح نووی، کتاب الفضائل، فضائل الخضر، تہذیب الاسماء واللغات ۱:۱۷۷

حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت خضر کا حیات ہونا ظاہر ہے﴿۱۸﴾۔ امام نووی کا بیان ہے کہ جمہور علما کی رائے ہے کہ وہ ہمارے درمیان زندہ ہیں اور یہ رائے صوفیا، صلحا اور عرفا کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ خضر کو دیکھنے، ان سے ملاقات اور سوال وجواب کرنے اور پاک اور متبرک مقامات پر ان کی موجودگی کے بارے میں ان کی حکایات اتنی زیادہ اور مشہور ہیں کہ انھیں نہ شمار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی چھپایا جا سکتا ہے﴿۱۹﴾

شیخ عبداللہ بن اسعد الیافعی (المتوفی ۷۶۸ھ/۱۳۶۶ء)﴿۲۰﴾ کا عقیدہ تھا کہ حضرت خضر زندہ ہیں۔ ان کے سامنے امام بخاری اور ابراہیم حربی کے انکار کا ذکر کیا گیا تو غضبناک ہو کر بولے مجھے اس شخص پر غصہ آتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ان کی وفات ہوئی ہے﴿۲۱﴾

صحیح بخاری کے شارح عینی (المتوفی ۸۵۵ھ/۱۴۵۱ء) نے لکھا ہے کہ جمہور خصوصاً مشائخ طریقت وحقیقت اور ارباب مجاہدات ومکاشفات کی رائے یہی ہے کہ حضرت خضر زندہ ہیں، ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں اور ان کو صحراؤں میں دیکھا گیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز، ابراہیم بن ادہم، بشر حافی، معروف کرخی، سری سقطی، جنید، ابراہیم خواص وغیرہم نے ان کو دیکھا ہے اور بہت سے دلائل وحجج ان کی زندگی پر شاہد ہیں جن کو ہم نے اپنی تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے﴿۲۲﴾

﴿۱۸﴾ صحیح مسلم بشرح نووی کتاب الفتن باب ذکر الدجال، تہذیب الاسماء واللغات ۱:۱۷۷

﴿۱۹﴾ صحیح مسلم بشرح نووی کتاب۔ کتاب الفضائل، فضائل الخضر، تہذیب الاسماء واللغات ۱:۱۷۶۔۱۷۷

﴿۲۰﴾ عفیف الدین ابو السعادات عبداللہ بن اسعد الیافعی علوم ظاہری وباطنی کے عالم، حرمین کے مجاور اور کئی کتابوں کے مصنف گزرے ہیں، مراۃ الجنان آپ کی مشہور تاریخ ہے جس میں ۷۵۰ھ تک کے حوادث کا بیان ملتا ہے۔ اسے ''تاریخ یافعی'' بھی کہا جاتا ہے۔ سفینۃ الاولیاء ص ۶۸

﴿۲۱﴾ الزہر النضر ص ۱۶۱

﴿۲۲﴾ انوار الباری ۵:۱۰۴

امام جلال الدین سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ/۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء) ﴿۲۳﴾ سے حضرت خضر کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب میں یہ اشعار پڑھے:

للناس خلف شاع فی الخضر وَھل ‏ ‏ اودی قدیماً اوحی یبقاء

ولکل قول حجة مشهورة ‏ ‏ تسموعلی الجوزاء فی العلیاء

والمرتضی قول الحیاة فکم له ‏ ‏ حجج تجل الدهر عن احصاء

خضروالیاس بارض مثل ما ‏ ‏ عیسیٰ وادریس بقوابسماء

هذاجواب ابن السیوطی الذی ‏ ‏ یرجو من الرحمن خیر جزاء ﴿۲۴﴾

صحابہ اور تابعین کے ساتھ حضرت خضر کی ملاقاتوں کے ثبوت میں متعدد روایات منقول ہیں، مگر اکثر روایات پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ حافظ ابن جوزی نے ان روایات کو اعتراضات کا ہدف بنایا ہے لیکن ان میں سے بعض روایات دوسرے محدثین کے نزدیک بہر حال موضوع نہیں ہیں بلکہ ضعیف اور صحیح بھی ہیں۔

حافظ ابن عبد البر (۳۶۸۔۴۶۳ھ/۹۷۹۔۱۰۷۱ء) ﴿۲۵﴾ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات پر صحابہ سے حضرت خضر کی تعزیت کا واقعہ نقل کیا ہے ﴿۲۶﴾۔ سہیلی نے بھی تعزیت والی روایت کو صحیح مانا ہے ﴿۲۷﴾۔ دوسرے محدثین نے اس کے علاوہ بعض واقعات بھی نقل کیے

﴿۲۳﴾ عبدالرحمٰن بن ابوبکر المعروف بہ امام جلال الدین سیوطی ۶۰۰ کتابوں کے مصنف ہیں۔ قرآن کی تفسیر، حدیث اور دوسرے علوم میں آپ کی تصنیفات ہر طبقے میں مقبول ہیں۔ آپ کا مولد، منشا اور مدفن مصر ہے۔
دیکھیے الاعلام ۴:۷۱۔۷۲

﴿۲۴﴾ الزہر النضر ص ۳۴

﴿۲۵﴾ شیخ الاسلام، حافظ مغرب ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد النمری القرطبی المالکی نامور عالم ہیں۔ التمہید آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ بعض علماء نے آپ کو امام ابن حزم اور امام بیہقی اور خطیب بغدادی پر برتری دی ہے۔

﴿۲۶﴾ الزہر النضر ص ۷۹

﴿۲۷﴾ الزہر النضر ص ۷۹، اما اجتماعه مع النبی صلی اللہ علیه وسلم وتعزیتة لاهل بیتة وهم مجتمعون بغسله فروی من طرق صحاح۔

ہیں۔ ان میں سے چند ایک روایات اور واقعات یہ ہیں:

جب آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت ابو بکر حجرۂ نبوی میں داخل ہوئے، انھوں نے آپ ﷺ کو کپڑے سے ڈھکا ہوا پایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی اور نماز جنازہ ادا کی۔ اہل بیت رونے لگے جب انھوں نے رونا بند کیا تو دروازہ پر ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ ''اے اہل بیت تم پر سلام ہو، ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ آپ لوگوں کو قیامت میں اس کا اجر ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر انسان کا خلف اور ہر خوفناک چیز سے نجات بھی ہے۔ بس آپ اسی سے امید رکھیں اور اسی پر بھروسہ رکھیں۔ مصیبت زدہ وہ ہے جسے ثواب نہ ملے''۔

اہل بیت نے یہ آواز سُن کر رونا بند کیا اور اس شخص کا پتہ لگانے کی کوشش کی لیکن کوئی انھیں دیکھ نہ سکا۔ جب اہل بیت دوبارہ رونے لگے تو ایک اور آواز آئی ''اے اہل بیت! اللہ کا ذکر کرو اور ہر حال میں اسی کا شکر کرو تا کہ مخلصین میں سے ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر مصیبت کا صبر اور ہر ہلاک ہونے والا کا عوض ہے۔ پس اسی پر اعتماد کرو اور اسی کی اطاعت کرو، بے شک مصیبت اس کی ہے جو ثواب سے محروم ہوا''۔ آواز بند ہوئی تو حضرت ابو بکر نے کہا کہ یہ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام ہیں۔ جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے موقعہ (پر تعزیت کے لیے) آئے تھے ﴿۲۸﴾

حضرت انس (۱۰ ق ھ۔ ۹۳ھ / ۶۱۲۔ ۷۱۳ء) کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی تو صحابہ آپ کے اردگرد جمع ہو کر رونے لگے۔ اسی اثنا میں ازار اور چادر میں ملبوس ایک چوڑے شانوں والا شخص آیا اور آگے بڑھا۔ دروازے کے بازو پکڑ کر یہ شخص رویا اور پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا ''اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر مصیبت کا صلہ، ہر نقصان کا عوض اور ہر

﴿۲۸﴾ الاصابہ ۲:۳۱۶، حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱:۳۸۵

جانے والے کے بعد اس کے پسماندگان ہیں، پس اسی پر بھروسہ کرو اور مصیبت میں اسی کی طرف دیکھو۔ مصیبت زدہ تو وہ ہے جسے ثواب نہ ملے"۔ یہ شخص چلا گیا تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لاؤ۔ لوگوں نے اِدھر اُدھر تلاش کیا تو اسے نہ پایا۔ اس پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ "شاید ہمارے نبی کے بھائی خضرؑ تھے، جو ہماری تعزیت کو آئے تھے" ﴿۲۹﴾

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو ہم تجہیز و تکفین کی تیاری کرنے لگے۔ لوگ باہر نکلے، جگہ خالی ہونے پر میں نے آپ کو مغسل پر رکھا۔ گھر کے کونے سے ایک غیبی پکارنے والے نے بلند آواز سے پکارا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل نہ دو۔ وہ پاک وصاف ہیں۔ میرے دل میں اس سے خدشہ پیدا ہوا، میں نے کہا "تم پر افسوس، تم کون ہو؟ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے اور یہ آپ کی سنت ہے"۔ اسی اثنا میں گھر کے ایک کونے سے دوسرے آواز دینے والے نے بلند آواز میں کہا کہ "محمد ﷺ کو غسل دو۔ پہلا پکارنے والا ابلیس ملعون تھا، اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد آیا کہ آپ قبر میں مغسول داخل ہوں"۔ میں نے کہا، جزاک اللہ تعالیٰ خیرا۔ آپ نے کہا کہ وہ ابلیس تھا۔ آپ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا "میں خضر ہوں، رسول اللہ کے جنازے میں حاضر ہوا ہوں" ﴿۳۰﴾

ایک اثر میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی۔ صحابہ جمع ہوئے، اس دوران ایک چمکتی داڑھی والے جسیم اور خوبصورت شخص آئے اور گردنوں کو پھلانگتے ہوئے آگے بڑھے اور رونے لگے۔ پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "بے شک اللہ کے یہاں ہر مصیبت پر صبر اور اللہ کے یہاں ہر فوت شدہ چیز کا بدلہ ہے اور ہر جانے والے کے بعد دوسرا ہے۔ پس اللہ کی طرف رجوع کرو، اسی کی طرف راغب ہو جاؤ، اللہ نے تمہاری مصیبت میں نظر رحمت فرمائی

﴿۲۹﴾ قصص الانبیاء ۲:۵۲۹، الاصابہ: ۲:۳۱۶۔۳۱۷

﴿۳۰﴾ روح المعانی ۱۵:۳۲۲

ہے، تم بھی اسی کی طرف نظر کرو۔ مصیبت زدہ وہ ہے جو اجر سے محروم ہوا"۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت علی نے کہا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے ﴿۳۱﴾

ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک میت کی جنازہ پڑھانے کھڑے ہوئے تو پیچھے سے کسی نے آواز دی "خدا آپ پر رحم کرے، ہم کو بھی نماز میں شریک ہونے دیجئے"۔ لوگوں نے انتظار کیا یہاں تک کہ وہ شخص آ کر صف میں مل گیا۔ تکبیر کہنے کے بعد اس شخص نے کہا "اے اللہ اگر تو اس شخص کو عذاب دے تو بے شک اس نے تیری نافرمانی کی ہے۔ اگر تو اسے معاف کرے تو بے شک یہ تیری رحمت کا محتاج ہے"۔ حضرت عمر اور صحابہ اس شخص کو دیکھتے رہے، جب میت کو دفن کیا گیا اور قبر کی مٹی برابر ہوئی تو اس شخص نے کہا "اے قبر والے! تیرے لیے خوشخبری ہو، اگر تم نگراں، تفتیش کرنے والے، خازن، کاتب اور سپاہی نہیں تھے"۔ حضرت عمر فاروق نے لوگوں سے کہا کہ اس شخص کو ہمارے پاس لاؤ۔ ہم اس سے، اس کی نماز اور اس کی باتوں کے متعلق سوال کریں گے۔ لیکن یہ شخص جا چکا تھا۔ اس کے قدموں کے نشان ایک ذراع (۱۸انچ سے ۲۲انچ کی لمبائی) لمبے تھے۔ اس پر حضرت عمر نے کہا "واللہ یہ تو حضرت خضر علیہ السلام تھے جن کے بارے میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے" ﴿۳۲﴾

خلیفہ ولید بن عبدالملک (۵۰۔۹۶ھ/۶۷۰۔۷۱۵ء) ﴿۳۳﴾ نے ایک مرتبہ رات کو جامع مسجد دمشق میں عبادت کرنے کا ارادہ کیا۔ انھوں نے مسجد کے قوام کو حکم دیا کہ مسجد میں رات

﴿۳۱﴾ روح المعانی ۱۵:۳۲۲

﴿۳۲﴾ قصص الانبیاء ۲:۵۳۰، الاصابہ ۲:۳۱۸، الزہر النضر ص ص ۱۲۱۔۱۲۲، روح المعانی ۱۵:۳۲۳

﴿۳۳﴾ ابو العباس الولید بن عبدالملک مشہور اموی خلیفہ کے دور میں مسلمانوں کو عظیم فتوحات حاصل ہوئیں۔ ولید کو دنیا کے بہترین سپہ سالار محمد بن قاسم، قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور طارق ابن زیاد میسر آئے جنہوں نے چین، سندھ اور اندلس فتح کیے۔ حضرت عمر فاروق کے بعد سب سے زیادہ فتوحات انھیں کے دور خلافت میں ہوئیں۔ ولید نے جامع دمشق تعمیر کرائی۔

کو اور کوئی نہ ہو۔ جب رات ہوگئی تو خلیفہ آئے اور مسجد میں داخل ہوئے۔ مسجد میں انھوں نے دیکھا کہ ان کے اور باب خضر کے درمیان ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ لوگوں سے کہا کیا میں نے حکم نہیں دیا تھا کہ مسجد رات کو خالی ہونی چاہیے۔ انھوں نے جواب دیا ''امیر المومنین! یہ خضر علیہ السلام ہیں، ہر رات یہاں آتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں'' ﴿۳۴﴾

رَیاح بن عبیدہ (نامعلوم) ﴿۳۵﴾ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو حضرت عمر بن عبدالعزیز (۶۳۔۱۰۱ھ/۶۸۲۔۷۲۰ء) ﴿۳۶﴾ کے ساتھ چلتے ہوئے دیکھا وہ ان کے ہاتھ کے سہارے چل رہے تھا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نماز سے واپس لوٹے تو میں نے پوچھا ''یہ کون تھے جو ابھی ابھی آپ کے ہاتھ کا سہارا لیے ہوئے آپ کے ساتھ چل رہے تھے۔'' انھوں نے کہا ''ریاح کیا تو نے انھیں دیکھا''؟ میں نے کہا ''ہاں'' انھوں نے کہا ''میں تمہیں صالح انسان سمجھتا ہوں، یہ میرے بھائی خضر تھے جنھوں نے مجھے خلافت کی خوشخبری دی اور کہا کہ میں عدل سے کام لوں گا'' ﴿۳۷﴾

حضرت خضر کے بارے میں یہ بہترین اثر ہے۔ جس کے متعلق ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:

قلت هذا صلح اسناد وقفت عليه في هذا الباب ﴿۳۸﴾

﴿۳۴﴾ البدایہ والنہایہ ۱:۳۳۳، قصص الانبیاء ۲:۵۳۲، الاصابہ ۲:۳۱۲

﴿۳۵﴾ ریاح بن عبیدہ الباھلی الکوفی۔ محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، ابن معین، ابوزرعہ، امام نسائی اور ابن حجر نے ان کی توثیق کی ہے۔ ریاح نے حجاز میں سکونت اختیار کی تھی۔ تقریب التہذیب ص ص ۳۳۰۔۳۳۱

﴿۳۶﴾ امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز کا تعلق بنو امیہ سے ہے۔ آپ کی ماں ام عاصم حضرت عمر فاروق کی پوتی تھیں، ولید بن عبدالملک کے زمانے میں مدینہ کے گورنر رہے۔ سلیمان بن عبدالملک کے مشیر تھے۔ ان کے بعد خلیفہ ہوئے۔ ڈھائی سال تک عدل وانصاف کے ساتھ خلافت کے فرائض انجام دئے۔ عمر ثانی کہلائے گئے۔ خلفائے راشدین میں شمار ہوتے ہیں۔ مورخین نے خلیفہ خامس کا نام دیا ہے۔ لوامح الانوار ۱:۳۳

﴿۳۷﴾ البدایہ والنہایہ ۱:۳۳۴، قصص الانبیاء ۲:۵۳۳، الاصابہ ۲:۳۳۰

﴿۳۸﴾ الزھر النضر ص ۱۵۱

''میں کہتا ہوں کہ اس باب میں یہ سب سے اچھی سند ہے جو مجھے ملی ہے۔'' ابن حجر مزید لکھتے ہیں:

لاباس بر جاله ولم يقع لي الآن خبر ولا اثر بسند جيد غيره ﴿۳۹﴾

''اس کے رجال میں کوئی خامی نہیں ہے۔ مجھے اب تک اس کے سوا جید سند کے ساتھ کسی دوسری خبر یا اثر کی واقفیت نہیں ہے۔''

حافظ موصوف کا بیان ہے کہ یہ اثر حدیث ''مائۃ سنۃ'' سے معارض نہیں ہے کیونکہ یہ صدی کے خاتمے سے پہلے کی بات ہے، ابن حجر عسقلانی کا بیان حیات خضر کے قائلین کے نزدیک ایک مستند دلیل ہے۔ انھوں نے ان کے اس بیان کو اپنی تحریروں میں نقل کیا ہے۔

شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی (المتوفی ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء) ﴿۴۰﴾ بھی حضرت خضر کی حیات کے قائل رہے ہیں۔ ۱۸۵۷ء میں شاہ فضل الرحمٰن اُن مجاہدین میں شامل تھے جو انگریزوں کے مقابلے میں لڑ رہے تھے۔ اچانک ایک دن مولانا کو دیکھا گیا کہ بھاگے جا رہے ہیں اور کسی چودھری کا نام لے کر جو باغیوں کی فوج کی افسری کر رہا تھا، کہتے جا رہے تھے کہ ''لڑنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ خضرؑ کو تو میں انگریزوں کی صف میں پا رہا ہوں'' ﴿۴۱﴾۔ پھر غدر کے بعد جب گنج مراد آباد کی ویران مسجد میں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب جا کر مقیم ہوئے تو اتفاقاً اسی راستے سے جس کے کنارے مسجد تھی، انگریزی فوج گزر رہی تھی۔ مولانا مسجد سے دیکھ رہے تھے۔ اچانک مسجد کی سیڑھیوں سے اتر کر دیکھا گیا کہ انگریزی فوج کے ایک سائس سے باتیں کر کے پھر مسجد میں واپس ہو گئے اور استفسار کرنے پر از خود فرمانے لگے

﴿۳۹﴾ فتح الباری ۶: ۴۳۵، الاصابہ ۲: ۳۳۰

﴿۴۰﴾ حضرت مولانا فضل الرحمٰن بن محمد فیاض گنج مراد آبادی انیسوی صدی عیسوی کے مشہور بزرگ تھے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ان کی سوانح ''تذکرہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی'' کے عنوان سے لکھی ہے۔

﴿۴۱﴾ سید مناظر احسن گیلانی۔ سوانح قاسمی۔ دارالعلوم دیو بند ۲: ۱۰۳ (حاشیہ)

کہ سائس جس سے میں نے گفتگو کی تھی۔ یہ خضر تھے میں نے پوچھا یہ کیا حال ہے؟ تو جواب میں کہا ''یہی حکم ہوا ہے'' ﴿۴۲﴾

صوفیا کے نزدیک حضرت خضر کی حیات کا انکار کرنا جہالت ہے۔ شیخ یعقوب چرخی کے بیان کے مطابق ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ یہ جہل کی انتہا ہوگی کہ اگر کوئی حضرت خضر اور الیاس کے جود کا منکر ہو﴿۴۳﴾۔ یہی رائے مراۃ الاسرار کے مصنف کی ہے﴿۴۴﴾

حضرت خضر کی نبوت میں اختلاف ہے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ حضرت خضر ولی ہیں۔ ابوبکر بن الانباری (المتوفی ۳۲۸ھ/۹۳۹ء) ﴿۴۵﴾ اس رائے کے قائل ہیں ﴿۴۶﴾۔ امام ابو القاسم قشیری کا بیان ہے کہ حضرت خضر نبی نہیں، ولی تھے﴿۴۷﴾۔ اکثر صوفیا حضرت خضر کو ولی مانتے ہیں۔ چنانچہ بعض صوفیا ولی کو نبی پر فضیلت دیتے ہیں اور استدلال میں حضرت خضر اور حضرت موسیٰ کا واقعہ پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ حکیم ترمذی نے ختم ولایت کا نظریہ پیش کیا۔ تفضیل کے سلسلے میں سعد الدین بن حمویہ (المتوفی ۶۲۵ھ/۱۲۲۷ء) ﴿۴۸﴾ اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ شیخ اکبر کا یہ شعر اکثر زیر بحث لایا گیا ہے ؎

مقام النبوۃ فی برزخ فویق الرسول ودون الولی

علما کی بڑی تعداد حضرت خضر کو نبی مانتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس ان کی نبوت کے

﴿۴۲﴾ سوانح قاسمی ۲: ۱۰۳۔ یہ واقعہ میرے لیے ہمیشہ نا قابل فہم رہا ہے۔ مصنف

﴿۴۳﴾ رسالہ ابدالیہ ص ۲۸، یکی از کبراء گفتہ اند کہ کمال جہل است آنکہ کسی وجود خضر و خواجہ الیاس را منکر باشد۔

﴿۴۴﴾ مراۃ الاسرار ۱: ۳۵، ہر کس کہ وجود الیاس و خضر را منکر شود از غایت جہل باشد۔

﴿۴۵﴾ محمد بن القاسم بن بشار النحوی علم و فضل اور صدق و دیانت کے لیے مشہور تھے۔

﴿۴۶﴾ الزہر النضر ص ۶۹

﴿۴۷﴾ الرسالۃ القشیریہ ۲: ۶۶۸، عبدالعزیز دباغ المغربی نے بھی حضرت خضر کو ولی کہا ہے۔

﴿۴۸﴾ شیخ سعد الدین ابوبکر محمد حموی، شیخ نجم الدین کبری کے مرید تھے۔ ایک زمانہ تک صالحہ دمشق میں قیام کیا۔ خراسان میں انتقال کیا۔ مزار بحر آباد میں ہے۔ سفینۃ الاولیا ص ۱۰۵

قائل ہیں۔ وہب بن منبہ کی رائے بھی یہی ہے۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ حضرت خضر نبی ہیں۔

مفسرین میں امام ثعلبی کا بیان ہے کہ وہ نبی ہیں۔ امام زمخشری بھی ان کی نبوت کے قائل ہیں۔ قرطبی کا کہنا ہے کہ حضرت خضر نبی ہیں۔ ابوحیان کا قول ہے کہ عام رائے یہ ہے کہ وہ نبی ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے ان کی نبوت کی تائید میں قرآن سے چار دلیلیں دی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس رائے کو ترجیح دی ہے کہ وہ نبی تھے۔ علامہ آلوسی کا بیان ہے کہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ وہ نبی ہیں، رسول نہیں اور جمہور کی رائے ہی درست ہے۔ حضرت ابن عباس اور وہب بن منبہ کا قول ہے کہ وہ غیر مرسل نبی تھے۔ یہی رائے اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے﴿۴۹﴾

صوفیا کے یہاں اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس بہ قید حیات ہیں اور بحر و بر میں اولیائے کرام کی تعلیم و تادیب، گم گشتہ راہ مسافروں کی رہبری، حاجت مندوں کی حاجت روائی اور مردانِ غیب کی نگرانی کا فرض انجام دیتے ہیں۔ تصوف کی کتابوں میں ان دونوں کے ساتھ صوفیا کی ملاقات کے واقعات کثرت سے نقل کیے گئے ہیں۔

اہل تصوف کے یہاں حضرت خضر اور حضرت الیاس سے ملاقات کرنے کے لیے مخصوص نماز اور عملیات و وظائف کی تلقین کی جاتی ہے۔ جنگل صحرا یا بیابان میں راستہ کھو جانے کی صورت میں گم شدہ انسان، جانور اور مویشی کی بازیابی کے لیے اور سمندری سفر میں راستہ کھو جانے کی صورت میں یا جہاز کی سلامتی کے واسطے ان سے استمداد کی جاتی ہے حتیٰ کہ بعض مقامات پر حضرت خضر کے نام نذر مانی جاتی ہے۔

﴿۴۹﴾ الاصابہ ۲: ۲۸۸، الزہر النضر ص ۶۷۔ شیخ محی الدین ابن عربی کا بیان ہے۔ "کان الخضر فی حکمه علی شرع رسول غیر موسی"۔ دیکھئے: الفتوحات المکیه، السفر الثانی عشر

اربابِ نظر کے نزدیک حضرت خضر کی چند علامات ہیں جن سے ان کی شناخت ہوتی ہے۔ مثلاً ان کے ہاتھ کی بیچ والی انگلی دوسرے لوگوں کی طرح لمبی نہیں ہے بلکہ انگشت شہادت کے برابر ہے نیز ان کے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں ہڈی نہیں ہے اور ان کی ایک آنکھ کی پتلی پارے کی طرح حرکت کرتی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کے پاؤں تلے زمین سرسبز ہوجاتی ہے ان کے پاؤں ایک ذراع لمبے ہوتے ہیں۔ حضرت خضر کے دیدار کی علامت یہ ہے کہ ان کی ملاقات سے پہلے قدرے بارش ہوتی ہے۔ حضرت خضر سے اکثر خرق عادات کا صدور ہوتا ہے۔ صوفیا کے بقول وہ پانی پر چلتے ہیں، ہوا میں نماز پڑھتے ہیں، زمین کو پاؤں سے لپیٹ لیتے ہیں۔ انھیں طیِّ مکان اور طیِّ زمان کی کرامت حاصل ہے۔ ان سے مختلف کرامات کا صدور ہوتا ہے۔

حضرت خضر، ان کی عمر جاوداں اور آب حیات کی داستان ختم ہوتی ہے۔

والحمدلله رب العالمين

حضرت الیاس علیہ السلام

رجال الغیب کی ایک اہم کڑی حضرت الیاس علیہ السلام ہیں۔ حضرت خضر کی طرح ان کے متعلق بھی مشہور ہے کہ وہ بقید حیات ہیں۔ مشہور تابعی مکحول حضرت ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ چار پیغمبر زندہ ہیں۔ ان میں سے دو زمین پر ہیں، اور دو آسمان میں ہیں۔ یہ حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ ہیں ﴿۱﴾۔ ضعیف سند کی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ انبیاء میں سے چار پیغمبر زندہ ہیں۔ ان میں سے دو حضرت عیسیٰ و حضرت ادریس آسمان میں ہیں اور دو حضرت خضر و حضرت الیاس زمین میں ہیں۔ حضرت خضر سمندر میں اور حضرت الیاس خشکی میں ہیں ﴿۲﴾۔ حضرت حسن بصری کا کہنا ہے کہ حضرت الیاس بیابان اور حضرت خضر سمندروں کے موکل ہیں۔ ان دونوں کو اس وقت تک ابدی زندگی دی گئی ہے جب پہلا صور پھونکا جائے گا ﴿۳﴾۔ امام ثعلبی کی بیان کردہ روایت کے مطابق حضرت خضر و الیاس اس وقت تک دنیا میں زندہ رہیں گے جب تک دنیا میں قرآن رہے گا اور جب قرآن اٹھایا جائے گا، اس وقت یہ دونوں وفات پائیں گے ﴿۴﴾۔ شیخ محی الدین ابن عربی کا بیان ہے کہ چار رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جسم کے ساتھ زندہ رکھا ہے۔ ان میں تین حامل شریعت ہیں۔

﴿۱﴾ البدایہ والنہایہ ۱:۳۳۷

﴿۲﴾ الاصابہ ۲:۲۹۳

﴿۳﴾ الاصابہ ۲:۲۹۳

﴿۴﴾ قصص الانبیاء المسمی بالعرائس ص ۲۴۱

یہ ادریس، الیاسؑ اور عیسیٰ ہیں۔ ایک حامل علم لدنی ہیں جو خضر علیہ السلام ہیں ﴿۵﴾

صوفیا کی کتابوں میں حضرت خضر کے ساتھ ساتھ حضرت الیاس کا بھی ذکر آتا ہے۔ ان کے بارے میں بھی عام خیال یہ ہے کہ وہ راستہ سے بھٹکے ہوئے مسافروں کو راستہ دکھاتے ہیں۔ اور بوقت ضرورت نیک لوگوں کی دستگیری کرتے ہیں۔ اوپر ایلیاہ نبی کے نام سے ان کا تفصیلی ذکر آچکا ہے۔

بنی اسرائیل کی حالت جب خراب ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ ان کے یہاں انبیاء مبعوث کرتا جو دین موسوی کی تجدید کرتے، عوام کو توحید و شریعت کی طرف دعوت دیتے اور ان کی رہنمائی کرتے۔ نویں صدی قبل مسیح میں بنی اسرائیل کے بادشاہ اخاب (اخی اب) نے صیدانیوں کے بادشاہ اتبعل کی بیٹی ایزبل سے شادی کی۔ اخاب نے اپنی بیوی کے زیر اثر اہل بعلبک کے بت بعل کی پرستش شروع کی۔ اخاب کی بیوی ایزبل نے اپنے شوہر کو قابو میں کر کے بنی اسرائیل کے مذہب کو سخت نقصان پہنچایا۔ وہ فطرتاً خراب تھی۔ اس نے بنی اسرائیل کے سات بادشاہوں سے (یکے بعد دیگرے) شادی کی اور متعدد پیغمبروں کو قتل کیا ﴿۶﴾۔ جب اخاب اور اس کی بیوی کا ظلم و عدوان حد سے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس کو مبعوث کیا۔

ابن قتیبہ کے مطابق حضرت الیاس حضرت یوشع بن نون کی اولاد ہیں ﴿۷﴾۔ مفسر ثعلبی کا بیان ہے کہ آپ کا نام الیاس بن یاسر بن فخاص بن عیزار بن ہارون ہے ﴿۸﴾ حافظ ابن کثیر کے مطابق ان کا نام الیاس تشبی، الیاس ابن یاسین بن فخاص بن العیزار بن ہارون اور الیاس بن العار بن العیزار بن ہارون بن عمران بتایا جاتا ہے ﴿۹﴾

﴿۵﴾ الفتوحات المکیہ باب ۷۳ شیخ عبدالوہاب شعرانی۔ الیواقیت والجواہر مصر ۱۲۷۷ھ ۲: ۱۰۰

﴿۶﴾ کتاب المعارف ص ۲۵۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ حضرت یحییٰ کو اسی بادشاہ نے شہید کیا تھا جو صحیح نہیں ہے۔ مصنف

﴿۷﴾ کتاب المعارف ص ۲۵ ﴿۸﴾ قصص الانبیاء المسمی بالعرائس ص ۲۷۱

﴿۹﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۷ قصص الانبیاء ۲: ۲۴۰

تورات کے مطابق حضرت الیاس نے مبعوث ہونے کے بعد اخی اب سے کہا کہ آئندہ دو یا تین برسوں میں نہ اوس پڑیگی اور نہ بارش ہوگی جب تک نہ میں کہوں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی کی کہ یہاں سے چل کر مشرق کی طرف رخ کر اور کربت کے نالے کے پاس جو یردن کے سامنے ہے، چھپ کر بیٹھ جا۔ اسی نالے سے پانی پی لینا، میں نے کوؤں کو حکم دیا ہے کہ وہ تیری پرورش کریں۔ حضرت الیاس جب خدا کے حکم کے مطابق اس جگہ رہنے لگے تو کوے ان کے لیے صبح اور شام کو روٹی اور گوشت لاتے تھے ﴿۱۰﴾

حضرت الیاس نالے سے پانی پیا کرتے تھے۔ قحط سالی کی وجہ سے کچھ عرصہ بعد نالہ سوکھ گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں حکم ملا کہ وہ ایک دوسرے شہر صارپت جائیں جہاں حکم الٰہی کے مطابق ایک بیوہ ان کی پرورش کرے گی۔ حضرت الیاس جب صارپت کے شہر پھاٹک پر پہنچے تو وہاں ایک بیوہ لکڑیاں چن رہی تھی۔ انھوں نے بیوہ سے پکار کر کہا کہ وہ ان کے لیے کسی برتن میں پانی لائے۔ جب بیوہ ان کے لیے پانی لینے چلی تو حضرت الیاس نے پکار کر آواز دی کہ وہ ان کے لیے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا بھی لے آئے۔ بیوہ نے ان کے الفاظ سُن کر قسم کھا کر کہا کہ میرے پاس مٹکے میں صرف مٹھی بھر آٹا اور کُپی میں تھوڑا سا تیل بچا ہے۔ میں لکڑیاں اس لیے چن رہی تھی کہ گھر جا کر روٹی پکاؤں اور میں اور میرا بیٹا اسے کھائیں، اس کے بعد ہمیں فاقے سے مرنا ہوگا۔ حضرت الیاس نے بیوہ سے کہا کہ وہ فکر مند نہ ہو بلکہ اسی آٹے اور تیل سے پہلے ان کے لیے روٹی کی ٹکیاں بنا کر لائے، بعد میں وہ اپنے اور اپنے بیٹے کے لیے روٹی بنا لے۔ بیوہ حضرت الیاس کے لیے جو اَب بیوہ کے مکان میں اترے تھے، روٹی بنا کر لائی۔ حضرت الیاس کی دعا سے آٹے اور تیل میں ایسی برکت ہوئی کہ بیوہ اور اس کا بیٹا بہت دنوں تک اسے کھاتے رہے۔

﴿۱۰﴾ تورات سلاطین باب ۱۷

کچھ عرصہ بعد بیوہ کا بیٹا سخت بیمار ہو کر مر گیا۔ بیوہ کی حالت پر ترس کھا کر حضرت الیاس نے خدا سے دعا کی کہ بیوہ کے مردہ بیٹے کو پھر سے زندگی عطا ہو۔ خدا نے ان کی دعا قبول کی اور بیوہ کا بیٹا جی اٹھا۔ بیٹے کے دوبارہ زندہ ہونے پر عورت نے حضرت الیاس سے کہا کہ اب اسے یقین ہو گیا کہ وہ خدا کے پیغمبر ہیں اور ان کی زبان پر خدا کا کلام جاری ہے۔

تیسرے سال حضرت الیاس پر وحی نازل ہوئی کہ وہ اخاب سے جا کر ملیں، اب اللہ تعالیٰ زمین پر مینہ برسائے گا، چنانچہ حضرت الیاس اخاب سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے۔

اخاب کی سلطنت سامریہ میں قحط سالی تھی۔ بادشاہ اور اس کی بیوی اس قحط سالی کا ذمہ دار حضرت الیاس کو سمجھتے تھے۔ انھوں نے بہت سے صلحا اور حضرت الیاس کے عقیدت مندوں کو قتل کروایا اور خود حضرت الیاس کی تلاش شروع کی۔ اخاب کا دیوان عبدیاہ خفیہ طور پر ایمان لا چکا تھا۔ اس نے سو انبیاء کو ایک غار میں چھپایا اور انھیں روٹی اور پانی پہنچاتا رہا۔ اخاب نے عبدیاہ کو حکم دیا کہ وہ ملک کے تمام چشموں اور نالوں پر جائے شاید کہیں گھاس مل جائے جس سے ان کے گھوڑے اور خچر ہلاک ہونے سے بچ جائیں۔ اخاب تنہا ایک راستے سے روانہ ہوا اور عبدیاہ دوسری جانب چلے تو راستے میں ان کی ملاقات حضرت الیاس سے ہوئی۔ انھوں نے تعظیم بجا لا کر حضرت الیاس سے کہا کہ بادشاہ اخاب نے تیری تلاش میں ہرکارے دوڑائے ہیں لیکن حضرت الیاس نے عبدیاہ سے کہا کہ میں آج اخاب سے ضرور ملوں گا۔ عبدیاہ نے جب اخاب سے حضرت الیاس کے بارے میں کہا تو اخاب خود الیاس سے ملنے آیا۔ جب اس نے حضرت الیاس کو دیکھا تو کہا کیا بنی اسرائیل کا ستانے والا تو ہی ہے؟ حضرت الیاس نے جواب دیا: بنی اسرائیل کو میں نے نہیں ستایا ہے بلکہ تو نے اور تیرے باپ کے گھرانے نے ستایا ہے۔ تو نے اللہ کے احکام کو چھوڑ دیا اور بعلیم کی پرستش کرنے لگا۔ اب تم بنی اسرائیل کے تمام لوگوں، بعل کے ساڑھے چار سو اور یسیرت کے چار سو کاہنوں کو جو ایزبل کے دستر خوان پر کھاتے ہیں،

کوہ کرمل پر میرے پاس جمع کردو۔ اخاب نے جب ان سب کو کوہ کرمل پر جمع کیا تو حضرت الیاس نے انھیں خطاب کر کے یہ مشہور تاریخی جملہ کہا:

"تم کب تک دو خیالوں میں ڈانواڈول رہو گے۔ اگر خداوند ہی خدا ہے تو اس کے پیرو ہو جاؤ، اگر بعل ہے تو اس کی پیروی کرو۔"

اس کے بعد حضرت الیاس نے کہا کہ میں خدا کا تنہا پیغمبر بچا ہوں مگر بعل کے ساڑھے چار سو کاہن ہیں۔ ہم کو دو بیل دیئے جائیں۔ بعل کو کاہن ایک بیل چن لیں اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کاٹ کر لکڑیوں پر دھر دیں۔ نیچے آگ نہ لگائیں، میں بھی اسی طرح اپنے بیل کو کاٹ کر لکڑیوں پر رکھ کے آگ نہیں لگاؤں گا۔ اس کے بعد بعل کے کاہن اپنے دیوتا سے دعا کریں کہ وہ آگ نازل کرے۔ میں بھی اپنے خداوند سے دعا کروں گا۔ جو آگ نازل کر کے جواب دے گا وہی خدا ہے۔ بعل کے کاہنوں نے حضرت الیاس کے اس چیلنج کو قبول کیا۔ انھوں نے اس بیل کو جو انھیں دیا گیا تھا، ذبح کر کے تیار کیا اور صبح سے دوپہر تک بعل سے دعا کرتے رہے، اے بعل ہماری سن۔ لیکن کوئی آواز نہ آئی۔ وہ اس قربان گاہ کے گرد جو انھوں نے بنائی تھی کودتے رہے مگر کوئی جواب نہ آیا۔

دوپہر کو حضرت الیاس ان کا مذاق اُڑانے لگے اور کہنے لگے: بلند آواز سے پکارو وہ دیوتا ہے، شاید وہ کسی سوچ میں ہوگا یا خلوت میں ہوگا یا کہیں سفر پر ہوگا یا ممکن ہے سو رہا ہوگا۔ اسے جگانا پڑے گا۔ بعل کے کاہن زور سے پکارنے لگے اور اپنی رسم کے مطابق انھوں نے اپنے آپ کو چھریوں اور نشتروں سے گھائل کیا اور لہولہان ہو گئے۔ دوپہر ڈھلنے پر شام کی قربانی کی لیکن کوئی آواز نہ آئی اور نہ کوئی جواب آیا۔

اس کے بعد حضرت الیاس نے ان سب کو نزدیک آنے کو کہا۔ جب وہ نزدیک آ گئے تو حضرت الیاس نے منہدم شدہ قربان گاہ کی مرمت شروع کی۔ انھوں نے حضرت یعقوب کے

بارہ بیٹوں کے نام پر قبائل کے شمار کے مطابق بارہ پتھر لیے اور ان سے خدا کے نام کی قربان گاہ بنائی۔ انھوں نے قربان گاہ کے اردگرد ایک کھائی کھودی، قرینہ سے لکڑیوں کو چنا اور بیل کے ٹکڑے ٹکڑے کاٹ کر انھیں لکڑیوں پر دھر دیا۔ سوختنی قربانی اور لکڑیوں پر تین بار پانی اُنڈیلا گیا یہاں تک کہ پانی قربان گاہ کے اردگرد بہنے لگا اور کھائی میں جمع ہو گیا۔ حضرت الیاس قربان گاہ کے قریب آئے اور انھوں نے خدا سے دعا کی:

> ''اے ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کے خدا آج معلوم ہو جائے کہ اسرائیل میں تو ہی خدا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ میں نے یہ سب تیرے حکم سے کیا ہے۔ میری سن اے خداوند میری سن تا کہ یہ لوگ جان جائیں کہ اے خداوند تو ہی خدا ہے اور تو نے پھر ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے'' ﴿۱۱﴾

دعا کے بعد آسمان سے آگ نازل ہوئی اور سوختنی قربانی کو لکڑیوں سمیت اور مٹی سمیت بھسم کر دیا اور کھائی کا پانی خشک کر دیا۔ لوگوں نے دیکھا تو سجدہ میں گر پڑے۔ جب بعل کے کاہن جھوٹے ثابت ہوئے تو حضرت الیاس نے حکم دیا کہ ان میں سے کوئی جانے نہ پائے۔ انھیں پہاڑ کے نیچے قتل کر دیا گیا۔ حضرت الیاس کی صداقت ثابت ہو جانے کے بعد بارش ہوئی۔ بادشاہ اخاب نے یہ سارا واقعہ اپنی بیوی ایزبیل کو سنا کر کہا کہ حضرت الیاس نے بعل کے کاہنوں کو قتل کر دیا۔ ایزبیل نے حضرت الیاس کے پاس قاصد روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ اگر کل اس وقت تک میں انھیں کاہنوں کی طرح تمھیں قتل نہ کر دوں تو دیوتا میرے ساتھ یہی سلوک کریں۔ چنانچہ حضرت الیاس وہاں سے نکل کر ایک مقام پر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور موت کی دعا کرنے لگے۔ درخت کی چھاؤں میں انھیں نیند نے غلبہ کیا اور وہ سو گئے۔ جاگ

﴿۱۱﴾ تورات، کتاب سلاطین باب ۱۸: ۳۶-۳۷

اٹھے تو سرہانے انگاروں پر پکی ہوئی روٹی اور صراحی دیکھی۔ پھر اسی کھانے پر چالیس دن اور چالیس رات سفر کر کے ایک غار میں پناہ لی جہاں ان پر وحی نازل ہوئی کہ آپ کے بعد الیسع نبی ہونگے۔ حضرت الیاس دمشق کے قریب بیابان میں حضرت الیسع سے ملے جو اس وقت بارہ جوڑی بیلوں کے ساتھ آخری جوڑی کے ساتھ کھیت جوت رہے تھے۔ حضرت الیاس نے ان کے قریب سے گزر کر اپنی چادر اُن پر ڈال دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی دنیا بدل گئی۔ وہ حضرت الیاس کے پیچھے ہوئے اور عرض کی کہ میں اپنے باپ اور ماں کو چوم لوں گا اور پھر آپ کے پاس واپس آؤں گا۔ حضرت الیاس نے اجازت دی، حضرت الیسع نے بیلوں کو ذبح کیا۔ جوے کو ایندھن بنا کر گوشت پکایا اور لوگوں میں تقسیم کیا۔ اس کے بعد وہ حضرت الیاس کے پیچھے روانہ ہوئے اور ان کی خدمت کرنے لگے۔

جزریل میں بادشاہ اخاب کے محل کے نزدیک بنوت نامی شخص کا ایک تاکستان تھا۔ بادشاہ بنوت کے باغ کو اپنے قبضہ میں لینا چاہتا تھا تاکہ وہ اسے ترکاری کا باغ بنائے۔ اس نے بنوت کو ایک بہتر تاکستان دینے، اچھی قیمت دینے کی پیش کش کی لیکن بنوت نے باپ دادا کی میراث کو بیچنے سے انکار کیا۔ اخاب نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ اس کی بیوی جزبیل (ایزبیل) نے اسے کہا کہ میں بنوت کا باغ آپ کے لیے حاصل کروں گی۔ اس نے جزریل کے بزرگوں اور امیروں کے نام اخاب کے نام سے خطوط لکھے اور ان پر بادشاہ کی مہر لگادی۔ ان خطوط میں کہا گیا تھا کہ روزہ کی منادی کرا کے تمام لوگوں کو جمع کردو اور بنوت کو لوگوں میں معزز اونچے مقام پر بٹھا دو، دو شریر آدمیوں کو روبرو لاؤ جو اس کے منہ پر اس کے خلاف گواہی دیں کہ اس نے خدا اور بادشاہ پر لعنت کی۔ پھر اسے باہر لے جا کر سنگسار کردو تاکہ وہ مر جائے۔ سرکاری اہلکاروں اور معززین شہر نے حکم کی تعمیل کی۔ روزہ کی منادی کرا کے لوگوں کو جمع کیا اور بنوت کو ان کے بیچوں بیچ اونچی جگہ پر بٹھایا۔ دو شریر آدمیوں کو لایا جنہوں نے گواہی دی کہ بنوت نے

خدا اور بادشاہ پر لعنت کی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے بنوت کو سنگسار کر دیا یہاں تک کہ وہ مر گیا جب ایزبیل کو خبر کی گئی کہ نبوت کو سنگسار کر کے مار دیا گیا ہے، تو اس نے اخاب سے کہا کہ اٹھ اور بنوت کے تاکستان پر قبضہ کر لو کیونکہ بنوت مر گیا ہے۔ اخاب بنوت کے تاکستان پر قبضہ کرنے کے لیے اپنے محل سے نکلا۔

حضرت الیاس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ اخاب سے جا کر ملو جو اس وقت بنوت کے تاکستان میں ہے اور قبضہ کرنے وہاں گیا ہے۔ اس سے کہو کہ تو نے جان بھی لی اور قبضہ بھی کر لیا۔ اس سے کہو کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہاں کتوں نے بنوت کا خون چاٹ لیا ہے، تیرا خون بھی وہیں چاٹ لیں گے۔ اخاب کی بیوی ایزبیل کو وعید سنائی گئی کہ یزرعیل کے فصیل کے پاس اسے کتے کھائیں گے۔ اخاب اور یہودا کے بادشاہ یہوسفط نے جب شاہ ارام کے خلاف فوج کشی کی تو اخاب مارا گیا۔ اخاب کے بعد اس کا بیٹا اخزیاہ بادشاہ بنا۔ وہ بھی گمراہ اور بت پرست تھا۔ ایک روز سامریہ اپنے بالا خانے کی بالکونی سے گر کر سخت زخمی ہو گیا۔ اس نے عقرون کے دیوتا بعل زبوب کے پاس چند قاصد بھیجے تاکہ یہ معلوم کریں کہ اخزیاہ صحت یاب ہو گا یا نہیں۔ حضرت الیاس پر وحی نازل ہوئی کہ جا کر اخزیاہ کے قاصدوں سے ملو اور ان سے کہو کہ کیا اسرائیل میں خدا نہیں ہے جو تم بعل زبوب سے پوچھنے چلے ہو۔ اس لیے اب خدا فرماتا ہے کہ تم اس پلنگ سے ہرگز نہ اترو گے بلکہ اسی پر مرو گے۔ قاصد ابھی راستے ہی میں تھے کہ حضرت الیاس ان سے ملے اور حکم الٰہی کے مطابق انھیں اخزیاہ کے بارے میں خدا کا فرمان سنایا۔ قاصد راستے میں حضرت الیاس سے ملاقات کر کے لوٹ آئے۔ جب بادشاہ نے لوٹ آنے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا کہ راستے میں ایک شخص ان سے ملے اور اس نے انھیں بادشاہ کے متعلق ایسی باتیں کہہ دی ہیں۔ بادشاہ اخزیاہ نے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا تو قاصدوں نے کہا کہ وہ بہت بالوں والا شخص تھا اور چمڑے کا کمر بند اپنی کمر پر

کسے ہوئے تھا﴿۱۲﴾

قاصدوں کی بات سن کر بادشاہ اخزیاہ جان گیا کہ وہ حضرت الیاس ہیں۔ اس نے انھیں گرفتار کرنے کے لیے پچاس آدمیوں کا ایک دستہ روانہ کیا۔ سپاہیوں کے سردار نے دیکھا کہ وہ ایک ٹیلے کی چوٹی پر بیٹھے ہیں۔ اس نے حضرت الیاس کے پاس جا کر کہا کہ اے مرد خدا بادشاہ نے کہا ہے کہ تو نیچے اتر آ۔ حضرت الیاس نے جواب دیا کہ اگر میں مرد خدا ہوں تو آسمان سے آگ نازل ہو اور تجھے اور پچاسیوں کو بھسم کر دے۔ آسمان سے آگ نازل ہوئی اور سب کو بھسم کر دیا۔ بادشاہ نے دوسرا دستہ روانہ کیا جو ایک سردار کی ماتحتی میں پچاس سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ اس کا حشر بھی وہی ہوا جو پہلے دستے کا ہوا تھا۔ بادشاہ نے پچاس آدمیوں پر مشتمل تیسرے دستے کو حضرت الیاس کو پکڑنے کے لیے ایک سردار کی ماتحتی میں بھیجا۔ اس دستے کے سردار نے دانشمندی سے کام لیا اور حضرت الیاس کی منت سماجت کر کے انھیں بادشاہ کے پاس آنے پر آمادہ کیا۔ حضرت الیاس پر وحی نازل ہوئی کہ وہ بے خوف ہو کر اس کے ساتھ جائے۔ حضرت الیاس بادشاہ کے پاس آئے اور وہی حکم الہیٰ جو انھوں نے قاصدوں کو بادشاہ کے متعلق سنایا، بادشاہ کے روبرو سنایا۔ چنانچہ وحی الہیٰ کے مطابق بادشاہ اسی بیماری میں مر گیا﴿۱۳﴾

حضرت الیاس اپنے خدمت گار حضرت الیسع کو لے کر جلجال سے روانہ ہو گئے اور حضرت الیسع سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو مجھے بیت ایل جانے کا حکم ہوا ہے لیکن حضرت الیسع نے اصرار کیا کہ وہ ان کے ساتھ رہیں گے۔ بیت ایل پہنچ کر انبیاء زادے حضرت الیسع کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ کیا تجھے معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ آج تیرے آقا کو اٹھائیگا۔ انھوں نے کہاں ہاں میں جانتا ہوں۔ حضرت الیاس نے حضرت الیسع سے کہا کہ مجھے اریحا جانے کا حکم

﴿۱۲﴾ تورات، کتاب سلاطین ۲، باب ۱:۱۔۸

﴿۱۳﴾ تورات، کتاب سلاطین، باب ۱، ۹۔۱۷

ہوا ہے تم یہیں ٹھہرو لیکن حضرت الیسع نے کہا میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ اریحا پہنچے تو وہاں کے انبیاء زادے حضرت الیسع کے پاس آئے اور کہا کیا تجھے معلوم ہے کہ خدا تیرے آقا کو تیرے سر سے اٹھائے گا۔ انھوں نے جواب دیا ہاں میں جانتا ہوں تم چپ رہو۔ حضرت الیاس نے ان سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو، میں بحکم خدا یردن (اردن) کو جا رہا ہوں۔ لیکن حضرت الیسع نے اصرار کیا کہ میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ دونوں آگے چلے، پچاس انبیاء زادے ان کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ دور کھڑے ہوئے۔ حضرت الیاس اور حضرت الیسع دریا اردن کے کنارے کھڑے ہوئے، حضرت الیاس نے اپنی چادر لپیٹ کر دریا کے پانی پر ماری۔ پانی کے دو حصے ہو گئے اور بیچ میں خشک زمین پر راستہ ہو گیا۔ دونوں دریا کے پار ہو گئے۔ دریا کے دوسری طرف دونوں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا اور حضرت الیاس بگولے میں آسمان پر چلے گئے۔ حضرت الیسع میرے باپ میرے باپ کہہ کر چلائے۔ انھوں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اوپر سے حضرت الیاس کی چادر گری۔ حضرت الیسع نے اسے اٹھا لیا اور واپس مڑے۔ دریا پر پہنچ کر حضرت الیاس کی چادر کو پانی پر مارا۔ پانی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور حضرت الیسع دریا پار ہو گئے ﴿۱۴﴾۔ رفع الیاس کا واقعہ مورخین کے مطابق 845 ق.م میں پیش آیا ہے۔

ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس سے فرمایا ''مانگو میں عطا کروں گا''۔ حضرت الیاس نے دعا کی ''مجھے اپنی طرف اٹھا اور میری موت ٹال دے''۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پَر پیدا کر کے اپنی طرف اٹھا لیا اور انھیں ایسی زمینی، آسمانی اور فرشتہ صفت مخلوق بنایا جو فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں ﴿۱۵﴾۔ ایک اور قول کے مطابق حضرت

﴿۱۴﴾ تورات کتاب سلاطین ۲، باب ۲: ۱۔۱۵

﴿۱۵﴾ کتاب المعارف ص ۲۵

الیاس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا، خوردونوش کی لذت ان سے ختم کی، انھیں پَر عطا کیے اور وہ انسانی، ملکی، زمینی، آسمانی مخلوق بن گئے ﴿۱۶﴾۔ وہب بن منبہ کے بقول جب لوگوں نے انھیں جھٹلایا اور درپے آزار ہوئے۔ تو حضرت الیاس نے موت کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک سواری بھیجی جس کا رنگ آگ جیسا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں پر عطا کیے۔ نورانی لباس پہنایا، خوردونوش کی لذت ان سے ہٹائی اور وہ فرشتہ، بشر، آسمانی اور زمینی مخلوق بن گئے ﴿۱۷﴾

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت الیاس بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے۔ وہ لوگ بعل کی پرستش کرنے لگے تھے۔ حضرت الیاس کی بددعا سے تین سال تک بارش نہ ہوئی۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ بارش کے لیے دعا کیجئے۔ بارش ہونے کے بعد ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ آپ نے دعا کی، بارش ہوئی لیکن قوم وعدے سے مکر گئی اور اپنے کفر پر اڑی رہی۔ حضرت الیاس نے خدا سے دعا کی کہ مجھے اپنی طرف اٹھا لیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ فلاں جگہ جائیں وہاں جو سواری ملے اس پر سوار ہو جائیں۔ آپ وہاں پہنچے تو ایک نوری گھوڑا نظر آیا۔ جس پر آپ سوار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی نورانی بنایا اور وہ اپنے پروں سے فرشتوں کے ساتھ اُڑنے لگے اور ایک انسانی، ملکی، زمینی اور آسمانی مخلوق بن گئے ﴿۱۸﴾

تفسیر حسینی میں آیا ہے کہ حضرت الیاس کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ انسان بھی ہیں اور فرشتہ بھی، زمینی بھی ہیں اور آسمانی بھی۔ وہ بیابانوں کے موکل ہیں جیسے خضر دریا کے موکل ہیں۔ دونوں عرفات میں ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں اور رمضان میں

﴿۱۶﴾ قصص الانبیاء المسمی بالعرائس ص ۲۷۹

﴿۱۷﴾ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۷۔۳۳۸، الکامل فی التاریخ ۱: ۲۱۳۔۲۱۴

﴿۱۸﴾ ابن کثیر۔ تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر) سورہ الصّٰفّٰت: ۱۲۳۔۱۳۰

بیت المقدس میں افطار کرتے ہیں۔ صلحائے امت کی ایک جماعت انھیں دیکھتی ہے﴿۱۹﴾

قرآن حکیم میں حضرت الیاس کا نام سورۃ ''الانعام'' اور سورہ ''الصّٰفّٰت'' میں آیا ہے۔ سورہ الانعام میں ان کا نام دوسرے انبیاء کرام کے ساتھ لیا گیا ہے﴿۲۰﴾۔ ان کی دعوت اور تبلیغ کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ جبکہ سورۃ الصّٰفّٰت میں آٹھ آیات میں ان کا ذکر آیا ہے اور الیاس کے علاوہ ان کا نام ''اِل یاسین'' بھی لیا گیا ہے۔

> ''الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے جبکہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے کیا تم بعل کو پوجتے ہو اور اس کو چھوڑ بیٹھے ہو جو سب سے بڑھ کر بنانے والا ہے معبود برحق ہے وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ داداؤں کا بھی رب ہے سو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا سو وہ لوگ پکڑے جاویں گے مگر جو اللہ کے خاص بندے تھے اور ہم نے ان کے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ الیاسین پر سلام ہو''﴿۲۱﴾۔

الیاس میں دوسرا لغت الیاسین ہے جیسے اسماعیل میں اسماعین ہے۔ بنو اسد میں اسی طرح یہ لغت ہے جیسے مکائیل کو میکال یا مکائیں، ابراہیم کو ابراہام، اسرائیل کو اسرائین اور طور سینا کو طور سینین کہا جاتا ہے۔ یہ لغت عرب میں مشہور اور رائج ہے﴿۲۲﴾۔ الاتقان میں کہا گیا ہے

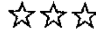
﴿۱۹﴾ ملا سید حسین الواعظ الکاشفی۔ تفسیر حسینی۔ بمبی ۱۳۰۳ھ ص ۲۱۷

﴿۲۰﴾ الانعام: ۸۵

﴿۲۱﴾ الصّٰفّٰت: ۱۲۳۔۱۳۰

﴿۲۲﴾ تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر) سورہ الصّٰفّٰت، البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۹، ابن کثیر کہتے ہیں: العرب تلحق النون فی اسماء کثیرہ و تبدلھا من غیر ھا کما قالوا اسماعیل و اسماعین اسرائیل و اسرائین والیاس والیاسین۔ لغات القرآن کے مصنف مولانا محمد عبدالرشید نعمانی نے شعراء عرب کے دو اشعار نقل کیے ہیں جن میں اسرائیل کو اسرائین کہا گیا ہے۔ دیکھیے: مولانا محمد عبدالرشید نعمانی۔ لغات القرآن۔ دہلی ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء ۱: ۲۳۴

کہ الیاس سے الیاسین اسی طرح بنایا گیا ہے جیسے ادریس سے ادراسین بولتے ہیں ﴿۲۳﴾۔ فتح القدیر میں آیا ہے کہ الیاسین سے مراد الیاس ہیں۔ یاء اور نون کا اضافہ اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ اعجمی ہے جس کی مثال طور سینا سے طور سینین ہے ﴿۲۴﴾۔



﴿۲۳﴾ الاتقان فی علوم القرآن ۲:۱۷۹

﴿۲۴﴾ محمد سلیمان عبداللہ الاشقر۔ زبدة التفسیر من فتح القدیر، الکویت، الطبعة الاولی ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء ص ۵۹۴

مراجع

عربی

(۱) علامہ ابواسحٰق احمد بن ابراہیم الثعلبی — قصص الانبیاء المسمی بالعرائس، اسکندریہ ۱۲۸۲ھ

(۲) امام احمد بن حنبل — المسند، دار صادر بیروت

(۳) امام بخاری — صحیح بخاری، دار احیاء التراث العربی القاہرہ ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء

(۴) امام ترمذی — سنن الترمذی، تحقیق ابراہیم عطوہ عوض ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء

(۵) شیخ حسین ابن محمد بن الحسن الدیار بکری — تاریخ الخمیس، مصر، الطبعۃ الاولی ۱۳۰۲ھ

(۶) شیخ عبدالروف المناوی — الکواکب الدریہ، تصحیح و تعلیق محمود حسن ربیع، مصر ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء

(۷(ا)) شیخ عبدالوہاب شعرانی — تنبیہ المغترین، المطبعۃ المیمنیہ مصر ۱۳۱۰ھ/۱۳۲۴ھ

(۷(ب)) عبدالوہاب شعرانی — الطبقات الکبریٰ المسماۃ بلواقح الانوار۔ قاہرہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء

(۸) عمر رضا کحالہ — معجم المولفین، مکتبۃ المثنی بیروت و دار احیاء التراث العربی بیروت

(۹) ابوبکر عبدالرزاق ابن ہمام الصغانی — المصنف، تحقیق حبیب الرحمٰن الاعظمی ۱۹۷۲ء

(۱۰) ابوجعفر محمد بن جریر الطبری — تاریخ الطبری، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

(۱۱) ابوحاتم سہل السجستانی — کتاب المعمرین، مرتبہ اگناز گولڈ یز یہر، بریل لیڈن ۱۸۹۹ء

(۱۲) الامام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی — احیاء علوم الدین، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء

(۱۳) ابوالحسن علی بن الحسین المسعودی — مروج الذہب ومعادن الجواہر، الطبعۃ الازہریہ المصریہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۰۳ھ

(۱۴) ابوزکریا یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن الحزامی الحورانی النووی تہذیب الاسماء واللغات، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان

(۱۵) ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی مجدالدین شیرازی سفر السعادۃ علی حاشیہ کشف الغمہ، مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی واولاد بمصر القاھرہ، الطبعۃ الاخیرہ ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء

(۱۶) ابوعبداللہ بن محمد احمد الانصاری القرطبی الجامع لاحکام القرآن، تحقیق ابواسحاق ابراہیم اطفیش الھیئۃ المصریہ العامہ للکتاب ۱۹۸۷ء

(۱۷) ابوعبدالرحمٰن بن محمد بن حسین بن محمد بن موسیٰ السلمی طبقات الصوفیا، مرتبہ جوہانس پیڈرسن لیڈن ۱۹۸۰ء

(۱۸) ابوالفضل شہاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادی روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، مصر ۱۳۵۳ھ

(۱۹) ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری الکشاف، مصطفےٰ البابی الحلبی واولاد بمصر قاہرہ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

(۲۰) الامام ابوالقاسم ابن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ القشیری النیشاپوری الشافعی الرسالۃ القشیریہ، تحقیق الدکتور، عبدالحلیم محمود/ محمود بن الشریف، دارالکتب الحدیثیہ، القاھرہ الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۲ء

(۲۱) ابومحمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ الکاتب الدینوری کتاب المعارف، مرتبہ فرڈی عینڈ وسٹنفیلڈ گوٹنجن ۱۸۵۰ء

(۲۲) ابوالنصر السراج الطوسی اللمع تحقیق وتقدیم وتخریج، الدکتور عبدالحلیم محمود، طہٰ عبدالباقی سرور، دارالکتب الحدیثیہ بمصر ومکتبۃ المثنیٰ بغداد ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء

(۲۳) خیرالدین الزرکلی الاعلام مطبعۃ کوستاتسوماس وشرکاہ مصر، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۲-۱۳۷۸ھ/۱۹۵۴ تا ۱۹۵۹

(۲۴) حافظ زین الدین عراقی المغنی عن حمل الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاخبار برحاشیہ احیاء علوم الدین ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء

(۲۵) الامام الحافظ شمس الدین الذھبی تذکرۃ الحفاظ، دائرہ المعارف العثمانیہ حیدرآباد، الطبعۃ الرابعہ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء

(۲۶) شیخ کمال الدین الدمیری حیاۃ الحیوان الکبریٰ، مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۳۳۰ھ

(۲۷) شیخ محی الدین ابن عربی الفتوحات المکیہ، القاھرہ ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء

(۲۸) ملاعلی قاری الموضوعات الکبیر، المطبع الربیع المجتبائی، دہلی ۱۳۱۵ھ

(۲۹) امام مسلم صحیح مسلم بشرح نووی داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

(۳۰) شاہ ولی اللہ دہلوی — النوادر مسلسلات، مکتبہ یحیویہ سہارنپور ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء

(۳۱) مجدد الف ثانی — المنتخبات من المکتوبات، استنبول ترکی ۱۹۷۸ء

(۳۲) ابن اثیر — الکامل فی التاریخ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

(۳۳) امام ابن تیمیہ — مجموع فتاوی، جمع وترتیب عبدالرحمٰن قاسم العاصمی النجدی الحنبلی وابنہ محمد، مکہ/قاہرہ ۱۴۰۴ھ

(۳۴) حافظ ابن جوزی — کتاب الموضوعات تقدیم وتحقیق عبدالرحمٰن محمد عثمان، دارالفکر بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

(۳۵) ابن حجر عسقلانی — الاصابہ فی تمییز الصحابہ، تحقیق علی محمد البجاوی القاہرہ ۱۳۸۳ھ/۱۹۷۰ء

(۳۶) ابن حجر عسقلانی — تقریب التہذیب، تحقیق ابوالاشبال صغیر احمد شاغف، دیوبند، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء

(۳۷) ابن حجر عسقلانی — الزہر النضر فی حال الخضر تقدیم وتحقیق وتخریج صلاح الدین مقبول احمد نیودھلی (الھند) الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

(۳۸) ابن حزم — الفصل فی الملل والاھواء والنحل، دارالمعرفۃ بیروت لبنان، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء

(۳۹) ابن خلکان — وفیات الاعیان، تحقیق احسان عباس، دار صادر بیروت ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

(۴۰) ابن الصلاح — فتاویٰ ابن الصلاح۔ القاہرہ

(۴۱) ابن قیم — المنار المنیف، تحقیق عبدالفتاح ابوغدہ، مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۳ھ/۱۹۷۲ء

(۴۲) ابن کثیر — البدایہ والنہایہ، مکتبہ المعارف بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۹۷۷ء

(۴۳) ابن کثیر — قصص الانبیاء، تحقیق الدکتور مصطفیٰ الواحد، مکۃ المکرمہ، الطبعۃ الثالثہ ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

(۴۴) شیخ الاسلام جلال الدین عبدالرحمٰن اسیوطی — الاتقان فی علوم القرآن۔ دہلی

(۴۵) محمد سلیمان عبداللہ الاشقر — زبدۃ التفسیر من فتح القدیر۔ الکویت۔ الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء

فارسی

امیر حسن علا سجزی — فوائد الفواد، مطبع نولکشور لکھنؤ، بار چہارم ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء

حمید قلندر — خیر المجالس تنقیح و تعلیق خلیق احمد نظامی، مسلم یونیورسی علی گڑھ

محمد خاوند شاہ — تاریخ روضۃ الصفا، بمبئی ۱۲۷۱ھ

محمد دارا شکوہ — سفینۃ الاولیاء، مطبع نولکشور کانپور، بار دوم ۱۹۰۰ء

شیخ فریدالدین عطار — کتاب تذکرۃ الاولیا تقدیم آقای مرزا محمد قزوینی تہران، چاپ سوم سال ۱۳۳۶ھ

شیخ مجدد الف ثانی — مکتوبات امام ربانی۔ کراچی/استانبول ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء

سید محمد بن مبارک علوی کرمانی — سیر الاولیاء، اسلام آباد لاہور ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

ملا عبدالنبی فخر الدین قزوینی — تذکرہ میخانہ، تصحیح و تنقیح گلچین معانی طہران ۱۳۸۰ھ

سید مظفر علی شاہ — جواہر غیبی، مطبع نولکشور ۱۸۹۸ء

نظامی گنجوی — سکندر نامہ بری، مطبع منشی گلاب سنگھ لکھنؤ

ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری — کشف المحجوب، نسخہ تہران تصحیح و تحشیہ علی قویم مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام اباد ۱۹۷۸ء

حضرت مولانا یعقوب چرخی — رسالہ ابدالیہ، تصحیح و تعلیق و پیشگفتار محمد نذیر رانجھا، مرکز تحقیقات فارسی، ایران و پاکستان اسلام آباد ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

عبدالرحمٰن چشتی — مراۃ الاسرار، عکسی مخطوطہ کتب خانہ شبلی دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

حکیم ابوالقاسم فردوسی طوسی — شاہ نامہ، مطبع فتح الکریم بمبئی ۱۳۰۶ھ

دولت شاہ سمرقندی — تذکرۃ الشعراء، مرتبہ شیخ محمد اقبال صوفی لاہور ۱۹۲۴ء

مولانا عبدالرحمٰن جامی — نفحات الانس، مطبع نولکشور کانپور ۱۸۹۳ء

اردو

مولانا سید احمد رضا بجنوری — انوار الباری شرح صحیح البخاری۔ ربانی بکڈپو لالی کنواں۔ دہلی ۲۰۰۶ء/۱۴۲۷ھ

مناظر احسن گیلانی — سوانح قاسمی۔ دارالعلوم دیوبند ۱۳۷۵ھ

ڈاکٹر عبیداللہ فراہی — تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق و تصنیف علی گڑھ۔

بار اول ۱۹۸۷ء

مولانا شبلی نعمانی — شعر العجم، مطبع اعظم گڈھ، طبع ششم ۱۹۷۲ء

مولوی مہدی حسین ناصری — صنادید عجم۔ الہ آباد، ۱۹۸۹ء

ابو محمد عبد الاحد اور اولصوفیا — خلافت پریس بمبئی

مولانا ابوالکلام آزاد — ترجمان القرآن، ساہتیہ اکادمی دہلی، طبع پنجم ۱۹۹۴ء

موریس بوکائیے — بائبل، قرآن اور سائنس۔ ترجمہ از ثناء اللہ صدیقی۔ دہلی۔ اشاعت سوم ۱۹۸۸ء

ENGLISH

Flavius Josephus; Antiquities of Jews (Translated by William Whiston) London

Friedlander,M,The Jewish Religion, London 1937

Trimmingham. J. Spenar,The Sufi Orders in Islam,oxford university press 1973

History of Christianity (A collective Work), London 1929

Encyclopeadia Biblica,A Dictionary of Bible
Edited by T.K Eyne and T.Suther Land Black,London in 1914

Encyclopeadia of Religion and Ethics.1913,1914,1930,1934

The Jewish Encyclopaedia,New York,london 1916

Encyclopeadia of Islam, Leiden, London, 1960, 1978

Good News, Bible, Bangalore 1985



اشاریہ

شخصیات و اسما

الف

ب

پ

ت

ث

ج

چ

ح

خ

د — ذ

ر — ز

ع

ف

ق

و

ہ

ی

☆☆☆

اشاریہ اماکن

☆☆☆

یادداشت

ڈاکٹر غلام قادر لون (پ: ۱۹۵۵) کا شمار عہدِ حاضر کے ان محققین میں ہوتا ہے جو تحقیق کا بھاری پتھر محض چوم کر چھوڑنے کے قائل نہیں بلکہ انتھک جاں فشانی سے موضوع کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا وطن اگرچہ کشمیر (بارہمولہ) ہے، وہیں پیدا ہوئے اور گریجویشن تک کی تعلیم کشمیر ہی میں حاصل کی لیکن ان کا اسلوبِ نگارش اردو زبان وادب کے اعلیٰ معیار اور تقاضے کو بحسن خوبی پورا کرتا ہے۔ انھوں نے ایم اے کی ڈگری امتیازی نمبرات سے لکھنؤ یونیورسٹی سے حاصل کی اور وہیں سے انھیں پی ایچ-ڈی کی سند بھی عطا کی گئی۔

ڈاکٹر لون کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ مختلف علوم بالخصوص تحقیقی، دینی اور نصابی کتابوں کی تصنیف میں قاری کی عمر اور نفسیات کو خاص طور پر ملحوظ رکھتے ہیں۔ سلیس اور رواں تحریر کا بانکپن ان کی تحقیقی کتابوں میں بھی نظر آتا ہے۔ ان کی دلچسپی کے موضوعات میں قرآن، حدیث، تاریخ، تصوف اور فلسفہ وعلم کلام کو اختصاص حاصل ہے۔ زبان وادب کے حوالے سے تعلیمی و درسی کتابوں کے ماہرین میں بھی ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کا تحقیقی اور تصنیفی سفر الحمدللہ جاری ہے۔ اب تک ان کی درج ذیل چار علمی و تحقیقی کتابیں منظر عام پر آئی ہیں:

● مطالعہ تصوف (قرآن وسنت کی روشنی میں) ● قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے ● اقبال کا جہان آدم وابلیس ● خواب کی دینی حیثیت

زیرِ نظر کتاب ''حضرت خضر: تحقیق کی روشنی میں'' اس لحاظ سے بے حد اہم ہے کہ حضرت خضر کا ذکر قرآن مجید میں خاص طور پر آیا ہے، لیکن ابھی تک اس موضوع پر کم سے کم اردو میں کوئی مبسوط کتاب نظر نہیں آتی۔ ڈاکٹر غلام قادر لون نے بڑی عرق ریزی اور محنت شاقہ سے یہ کتاب لکھی ہے۔ مستند حوالوں اور حواشی سے مؤثق یہ کتاب یقینی طور پر ان شاءاللہ اہل علم ودانش کی توجہ مبذول کرائے گی۔

—— محمد عارف اقبال [مدیر، اردو بک ریویو، نئی دہلی]

Distributors:
Urdu Book Review, New Delhi-110002
Ph.: 011-23266347, Mob.: +91-9953630788